اک بھید ہے زندگی

نبیلہ ابر راجہ

ایک بھید ہے زندگی

سرِ شام ہی وہ ساشہ کو لے کر باہر گلی میں نکل آئی، جس کے کونے پہ وسیع میدان تھا۔
ان بچوں نے جو وہاں کھیلتے تھے اسے پارک کا نام دیا ہوا تھا، حالانکہ اس میں پارک والی کوئی
بات یا خوبی نہیں تھی، البتہ گھنے درخت کافی تھے۔ یہ ایک متوسط طبقے کا علاقہ تھا اور ویسا ہی تھا
جیسا ہونا چاہیے تھا۔

توفیق احمد فیکٹری میں فورمین تھے۔ ساشہ، جواہر سمیت پانچ نفوس کھانے والے تھے،
یعنی وہ دو بھتیجیاں اور ایک ان کی پھوپھی نادرا بیگم جو شروع سے ہی ماں باپ کے بیکے بعد دیگرے
رخصت ہونے کے بعد انہی کے گھر پرورش پا رہی تھی۔ توفیق احمد اور ارسلا بیگم روز افزوں بڑھتی
مہنگائی کے ساتھ ساتھ ان بچیوں کے بارے میں بھی فکرمند تھے۔ بیٹا تو کوئی تھا نہیں جو ان کے
مستقبل کا سہارا بنتا۔ اس لیے تنگ آ کر ارسلا ان بچیوں کو کوسنے بیٹھ جاتیں۔

جواہر چھٹی جماعت کی طالبہ تھی۔ ساشہ اس سے پانچ سال چھوٹی تھی۔ ایمنہ ان دونوں
کے درمیان تھی یعنی نو سال کی۔ ایمنہ اور جواہر کی اتنی زیادہ نہیں بنتی تھی، البتہ ساشہ ایمنہ کے ساتھ
بہت خوش رہتی تھی۔ محلے کی دوسری لڑکیاں بھی دن ڈھلتے ہی اس وسیع میدان کا رخ کرتی نظر
آتیں۔ لڑکے بھی کھیلنے کے بہانے آ جاتے۔

جونہی جواہر ساشہ یا ایمنہ کے ساتھ باہر کا رخ کرتی، عین اسی وقت سفید ماربل کے
خوب صورت گھر کا گیٹ بھی کھلتا۔

یہ جابر تھا۔ ایس ایچ او زمان صدیقی کا اکلوتا بیٹا۔ اس محلے میں سب سے خوب

صورت گھرانہ ہی کا تھا۔ ہر کوئی ان کی عزت کرتا تھا۔ جابر کی ماں فوت ہو چکی تھی۔ اتنے بڑے
گھر میں جابر اپنے باپ کے ساتھ اکیلا رہتا تھا۔
جواہر نے تین سال پہلے جابر کو دیکھا تھا، جب وہ ننھی منی سائرہ کو بہلانے کے لیے
ادھر لائی تھی۔ اسے آج بھی اچھی طرح یاد تھا۔ سائرہ کھیل رہی تھی، جب روز کی طرح غبارے
والا وہاں کھڑا ہو کر غبارے بیچ رہا تھا۔ وہ حسرت سے دیکھ رہی تھی تب چیک کی شرٹ اور کالی
پینٹ میں ملبوس وہ خوب صورت نقوش والا لڑکا اس کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔
"غبارے لو گی۔" اس نے پوچھا تب غیر ارادی طور پر اس کا سر اثبات میں ہل گیا
اور جابر نے اسے پورے پانچ روپے کے غبارے لے کر دیے۔ خوشی سے اس کی آنکھیں چمک
رہی تھیں۔
ابا کی قلیل تنخواہ اور مہینے کے درمیان میں ہی اماں ابا کی کھٹ پٹ معمول تھا۔ اگر وہ
اسکول جاتے غلطی سے اماں سے پیسے مانگ بیٹھتی تو بے بھاؤ کی پڑتیں۔ اسکول میں لڑکیاں
طرح طرح کی چیزیں کھاتیں تو اس کی آنکھوں میں عجیب سی حسرت ہوتی۔ اس کا دل چاہتا کہ
اس کے پاس ڈھیر سارے غبارے اور کھلونے ہوں وہ غباروں کے ساتھ ہوا میں اڑتی
پھرے۔ آج کسی طرح اس کی حسرت پوری ہوئی تھی۔
یہ تھا اس کا جابر کے ساتھ پہلا تعارف۔ گھر آکر اس نے غبارے اسکول کے بستے
میں چھپا کر رکھ دیے تھے۔ مارے خوشی کے اسے نیند ہی نہیں آرہی تھی۔
اماں ہمیشہ اخراجات کی تنگی کا رونا روتیں۔ ابا کی بندھی رقم سے گھر کا خرچ چلاتے
اماں کے ہاتھ پہ انھوں نے کبھی ڈالتو ایک پیسہ بھی نہیں رکھا تھا ایسے میں اگر جواہر کوئی فرمائش
کرتی تو اماں بری طرح جھڑک دیتیں۔ مارنے لگتیں۔
اس کے دل میں کتنی ہی آرزوئیں تھیں اسے پٹڑی پہ چلنے والی ریل، اڑنے والا
جہاز اور بولنے والی گڑیا اچھی لگتی تھی، مگر اس کے پاس صرف خواب ہی خواب تھے تعبیر نہیں تھی۔
آج غیر متوقع طور پہ اس کا ایک خواب پورا ہو گیا تھا۔
بعض خوابوں کی تعبیر بڑی مہنگی ہوتی ہے یہ اکثر معصوم ذہنوں کو پتا نہیں ہوتا۔ جواہر
نے اسکول جاتے ہوئے بستے سے ایک غبارا نکالا تھا اور منہ سے ہوا بھرتے ہوئے اسے خوب
پھلایا تھا۔ پھر بریک ٹائم میں وہ غباروں کے ساتھ جی بھر کر کھیلی تھی۔ دوسرے روز جب وہ گھر

سے نکل کر اس میدان میں آئی تو جابر پہلے سے وہاں موجود تھا۔ وہ چاکلیٹ کھا رہا تھا۔ جابر کو دیکھا تو پاس بلا کر اسے جیب سے ایک اور چاکلیٹ نکال کر دی اس نے پس و پیش کیے بغیر لے لی اور وہیں کھول کر کھانا شروع کر دی۔ جابر اسے دیکھ رہا تھا۔ ساری چاکلیٹ اس نے بے تابی سے کھائی۔ پہلی بار اس نے جابر سے ڈھیر ساری باتیں کیں۔ اپنے گھر کی باتیں، اماں ابا کے جھگڑوں کی باتیں۔ اپنے خوابوں کی باتیں، وہ بڑی دلچسپی سے تھوڑی ہاتھوں پہ ٹکائے اسے سن رہا تھا۔ سوئے اتفاق آج ان دونوں کے سوا وہاں کوئی نہیں تھا۔

"کل آنا میں تمہیں کھلونے لے کر دوں گا۔" جابر نے اس کے گالوں پہ پیار سے ہاتھ پھیرا تھا۔ وہ اچھلتی کودتی گھر واپس آئی تھی۔ پھر جابر بھائی پکے پکے اس کے دوست بن گئے تھے۔

انھوں نے پہلی بار اسے پچاس روپے دیے جو اس کی بے احتیاطی کی وجہ سے اماں نے دیکھ لیے۔ اس کا خیال تھا کہ اب اس کی خیر نہیں ہے۔ اماں مار مار کر اس کا حشر کر دیں گی۔ مگر اس وقت اس کی حیرت کی انتہا نہیں رہی جب اس کے یہ بتانے پر کہ پیسے اسے جابر بھائی نے دیے ہیں انھوں نے اٹھا کر اپنے بٹوے میں رکھ لیے اور اس کے بدلے اسے دو روپے دیے اور کہا کہ "اس کی نانیاں لے لو بڑا اچھا لڑکا ہے جابر" جب وہ دوکان پہ جانے کے لیے گھر سے نکل رہی تھی تب اماں کی آواز اس کے کان میں آئی "ہاں جابر بھائی بہت اچھے ہیں۔" وہ خود سے بولی اور پھر اچھلتی کودتی دکان تک پہنچی۔ اب اس کا ڈر نکل گیا تھا۔ پہلے اماں کے خوف کی وجہ سے وہ ہر چیز چھپا کر رکھتی تھی مگر اب ایسا نہیں تھا وہ ہر چیز اماں کے سامنے لاتی چاہے وہ کوئی کھلونا ہوتا، کھانے کی چیز ہوتی یا پھر پیسے، پیسے تو اماں لے لیتیں، ہاں باقی چیزوں کا استعمال اس کی مرضی کا تھا۔ اس روز وہ اسکول سے نکلی تو جابر بھائی عین گیٹ کے سامنے کھڑے تھے۔

"آپ؟" وہ حیران ہوئی۔

"ہاں، تم میرے ساتھ گھر چلو میں نے بولنے والی گڑیا لی ہے تمہارے لیے۔"

"مگر اماں۔" وہ متذبذب تھی۔

"کچھ نہیں کہتیں وہ۔" جابر بھائی نے اسے حوصلہ دیا۔ اصل میں وہ کبھی ان کے گھر نہیں گئی تھی اس لیے ڈر سا تھا پھر بولنے والی گڑیا کے لالچ نے ہر ڈر اس کے دل سے نکال دیا۔

جابر بھائی کا گھر بہت خوب صورت تھا۔ بڑا اور مہنگے فرنیچر سے آراستہ وہ اسے اپنے کمرے میں لے گئے جو اندھیرے اور اے سی کی ٹھنڈک میں ڈوبا بہت پراسرار لگ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اسے ڈر لگ رہا تھا۔ جابر بھائی نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے خود سے قریب کر لیا۔ جواہر کو لگ رہا تھا۔ یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔

واپسی میں اس کے پاس بولنے والی گڑیا تھی مگر آج وہ پہلے کی طرح خوش نہیں تھی۔

جابر بھیا کی عنایات و نوازشات پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی تھیں۔ گیارہ سالہ جواہر کی محدود عقل کچھ سوچنے سمجھنے سے قاصر تھی۔ جابر بھائی نے جب پہلی بار اسے میک اپ کٹ دی تو اسے احساس ہوا کہ اب اس میں جسمانی تبدیلیاں آرہی ہیں۔ وہ پہلے کی نسبت بڑی بڑی لگنے لگی تھی۔

❀......❀......❀

آگ نہ جانے کیسے لگی تھی۔ یہ کسی کو پتا نہیں تھا۔ وہ تینوں جب اسکول سے لوٹیں تو سب کچھ جل چکا تھا۔ اماں اور ابا سمیت۔ ابا نے فیکٹری سے چھٹی کی تھی ان کی طبیعت اچھی نہیں تھی۔ وہ تینوں روزانہ کی طرح وقت پہ اسکول گئی تھیں۔ واپسی پہ سارا منظر بدل چکا تھا۔

سارے محلے والے بالٹیاں بھر بھر کر پانی سے آگ بجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر اب بچا ہی کیا تھا۔ اماں اور ابا کی سوختہ ناقابل شناخت لاشیں۔ جنہیں جلدی جلدی مٹی کے حوالے کیا گیا۔

ایک نہیں بلکہ تین تین نفوس کے رہنے کھانے پینے کا مسئلہ تھا۔ گھر تو فی الحال رہائش کے قابل نہیں تھا ہر شے جل چکی تھی۔ اماں اور ابا کے گنے چنے رشتہ دار تھے۔ اماں تو تھیں ہی اکلوتی۔ ابا کی ایک بہن تھی وہ بھی مر چکی تھی۔ ابا کے ایک رشتے کے ماموں تھے جو اندرون سندھ کے کسی گاؤں میں رہتے تھے۔ بس کبھی کبھار ملنا ہوتا تھا ان کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔

پہلا پورا ہفتہ تو وہ تینوں ساتھ والے نصیر خالو کے ہاں رہیں۔ جن کی بیوی کو جواہر لاڈ سے خالہ ہی کہتی تھی۔

پھر جیسے تیسے ایک مہینہ گزرا۔ ان کا تو مستقبل منہ پھاڑے سامنے آ کھڑا ہوا۔ محلے والے عمر بھر کے لیے تین لڑکیوں کی ذمہ داری اٹھانے کے لیے تیار نہ تھے اور کون تھا جس کا

آسرا کیا جاتا۔

جابر کے گھر میں محلے کے کچھ اور معزز لوگ بھی مل بیٹھے اور ان تینوں کے مستقبل کے بارے میں فیصلہ ہوا۔ جابر کے والد زمان صدیقی کسی طور پہ انہیں دارالامان بھیجنے کے حق میں نہیں تھے۔ باقی کسی کی اتنی حیثیت اور ہمت نہیں تھی جو تین تین لڑکیوں کو پالتا۔ جابر کے والد نے جرأت سے کام لے کر انہیں اپنے گھر میں رکھنے کا فیصلہ کیا۔ محلے والے ان کے بلند کردار کے معترف تھے۔ ان سے کسی کو کوئی شکایت نہیں تھی لہذا کسی نے بھی ان کے اس فیصلے پہ اعتراض نہیں کیا۔

زندگی نئے سرے سے رواں دواں ہو گئی۔ یہاں کوئی تکلیف اور فکر نہیں تھی۔ کھانے پینے اور پہننے کو اچھے سے اچھا مل رہا تھا۔ زمان صدیقی کا رویہ بالکل باپ جیسا تھا۔ یہ تو سب کو پتا تھا کہ ان کا تعلق اچھے حسب نسب والے خاندان سے ہے پر ان کے رشتہ داروں کے بارے میں محلے والے زیادہ نہیں جانتے تھے۔ زمان صدیقی نے سارے خاندان کی ناراضگی مول لے کر اپنی پسند اور دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک گانے بجانے والی سے شادی کی تو پورے خاندان نے ان سے قطع تعلق کر لیا۔ دل پہ بوجھ لیے انہوں نے آبائی شہر چھوڑ کر یہاں ایک گنجان آباد علاقے میں گھر بنایا۔ کچھ عرصہ بعد شریک حیات انہیں چھوڑ کر منوں مٹی تلے جا سوئی۔

اب بس وہ تھے اور جابر۔ ان تینوں کے آنے سے ان کے گھر پہ چھایا سناٹا یکدم ٹوٹ گیا۔

جواہر چودہ سال کی ہو چکی تھی۔ اس نے سارے گھر کا انتظام بخیر و خوبی سنبھال رکھا تھا۔ اماں اور ابا کے بعد اس کی ساری خواہشیں اور خواب بھی مر گئے تھے۔ اب وہ جابر کے کہنے میں نہیں آتی تھی۔ زمان صدیقی ایس ایچ او کے بعد ایس پی بن گئے تھے وہ زیادہ تر معروف ہی رہتے۔ جابر کو کھیل کھیلنے کی مکمل آزادی تھی۔

اینہ اور سمانہ دونوں اسکول جا چکی تھیں۔ جواہر میٹرک کے آخری سال میں تھی۔ سالانہ امتحان کی ڈیٹ شیٹ آ چکی تھی چنانچہ اسکول سے امتحانات کی تیاری کے لیے انہیں فارغ کر دیا گیا تھا۔ وہ گھر پہ ہی تھی۔ جابر دن کے دس بجے کے قریب یونیورسٹی سے لوٹ آیا۔

"مجھے چائے بنا کر دو۔" وہ حکم صادر کر کے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وہ چائے لے کر اس کے کمرے میں گئی تو وہ جوتوں سمیت بستر پہ دراز تھا۔ جواہر چائے رکھ کر پلٹنے لگی تو جابر نے اسے پکڑ لیا۔

"چھوڑیں مجھے۔" اسے غصہ آ گیا۔ اس نے جابر کی گرفت سے آزاد ہونے کے لیے زور لگایا۔

"چھوڑ دوں، ایسے کیسے چھوڑ دوں قطرہ قطرہ کر کے تمہیں پایا ہے۔ آج مکمل پیاس بجھاؤں گا۔ ایسے ہی تو اتنے احسان نہیں کیے تم پہ۔" جابر نے اسے مکمل طور پر بے بس کر دیا تھا۔

اس کی حالت عجیب تھی جی چاہ رہا تھا انکل زمان صدیقی کا پستول لے کر ساری گولیاں جابر کے سینے میں اتار دے۔ وہ کمزور اور بے بس تھی کچھ بھی نہ کر سکی مگر اس کا نتیجہ دو ماہ بعد سامنے آیا۔ جب کھانا کھاتے کھاتے اس کا سر گھومنے لگا وہ وہیں گری اور بے سدھ ہو گئی۔ ڈاکٹر آیا جو شہر کے پوش علاقے میں کلینک چلاتا تھا۔ زمان صدیقی ہمیشہ اسی سے اپنی فیملی کا علاج کرواتے تھے۔ ڈاکٹر نے یہ بتا کر کہ جواہر امید سے ہے ان کے سر پہ بم چھوڑ دیا۔ ان کے پوچھنے پر جواہر نے جابر کا نام بتا دیا۔ وہ سکتے میں آ گئے۔ کیا کچھ ہو گیا تھا انکل پتا ہی نہیں تھا۔

چند روز کے اندر اندر انہوں نے گھر فروخت کر کے دوسرے علاقے میں گھر لیا۔ زمان صدیقی کے کہنے پر جابر، جواہر کو اپنانے پر مجبور ہو گیا۔ دوسری صورت میں انہوں نے اسے عاق کرنے کی دھمکی دی تھی۔ گھر چھوڑنے سے پہلے پہلے جواہر اور جابر کا نکاح ہو چکا تھا۔

نئے گھر میں جواہر، جابر کی بیوی اور زمان صدیقی کی بہو کی حیثیت سے گئی تھی۔ تب پہلی بار اس نے اپنے شوہر کے رشتہ داروں کو دیکھا۔ سب ہی سلجھے ہوئے اور پر خلوص لوگ تھے۔

شادی کے تقریباً ساڑھے چھ ماہ بعد کاشف پیدا ہوا۔ جابر کا رویہ جواہر کے ساتھ بہت اچھا تھا۔ اس نے اپنا بزنس جما لیا تھا پیسے کی ریل پیل تھی۔ سائرہ اور ساشہ دونوں جواہر کے ساتھ ہی رہتی تھیں۔

لائبہ کی پیدائش کے چند ہفتے بعد زمان صدیقی دل کا دورہ پڑنے سے جانبر نہ ہو سکے اور ان کا مضبوط سایہ کرتا وجود ہمیشہ کے لیے نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

❁ ..... ❁ ..... ❁
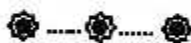
اتری ہے یوں جدائیوں تنہائیوں میں شام
جیسے اجاڑ شہر کی انگنائیوں میں شام
رنگین قہقہوں کا سہارا لے کر
سہمی ہوئی ہے شہر کی رعنائیوں میں شام

ہم سوختہ دلوں کی تمہیں کیا خبر کہ ہم
کیسے گزار لیتے ہیں تنہائیوں میں شام

تھوڑی گھٹنوں پہ ٹکائے وہ لمحہ لمحہ ڈوبتے سورج کو غائب دماغی کے عالم میں دیکھ رہی تھی۔ ابھی کچھ دیر میں مغرب کی اذان ہونے والی تھی۔ ٹیرس سے نیچے لان میں کاشف اور لائبہ کے لڑنے جھگڑنے کی آوازیں یہاں تک آرہی تھیں۔ جواہر آپا شاید اندر تھیں کیونکہ باہر ان کی موجودگی کے آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ جابر بھائی کی واپسی رات آٹھ بجے سے پہلے متوقع نہیں تھی اس لیے وہ بڑے آرام سے گزشتہ آدھے گھنٹے سے ٹیرس کی مشرقی دیوار کے سہارے کھڑی لایعنی اور بے معنی سوچوں میں گھری ہوئی تھی۔

جونہی اذان کی آواز آئی اس نے فوراً سر پہ پڑا دوپٹا دوبارہ اچھی طرح سے کھول کے اوڑھا اور مردہ قدموں سے سیڑھیاں اتر کر نیچے آگئی۔

جواہر کی طبیعت خراب تھی۔ وہ سر درد کی گولی کھا کر لیٹی ہوئی تھی۔ کاشف اور لائبہ کو اندر بلوا کر اس نے دونوں سے اسکول بیگ کھلوائے۔

”اپنا اپنا ہوم ورک کرو پپا آتے ہوں گے۔“

اس نے انہیں ڈرایا تو کاشف اور لائبہ کی ساری طراری رخصت ہوگئی۔ لائبہ نے پہلے بیگ کھول کر پھرتی سے کتابیں نکالیں۔ کاشف نے بھی اس کی پیروی کی سمانہ مطمئن ہو کر مغرب کی نماز پڑھنے لگی۔

باورچی خانے میں جواں سال ملازمہ سلمیٰ رات کے کھانے کی تیاری میں لگی ہوئی تھی۔ جب سے جابر اس نئے گھر میں شفٹ ہوا تھا تب سے اس کے انداز فکر اور رہن سہن میں نمایاں تبدیلی آئی تھی جس کا تازہ ترین ثبوت اس وقت باورچی خانے میں سلمیٰ کی موجودگی تھی۔

زمان صدیقی کی زندگی میں ادھیڑ عمر عذرا گھر کے کام کاج کرتی تھیں۔ ان کے مرتے ہی جابر نے کم سن ملازمہ رکھی جو دو ماہ بعد ہی نامعلوم وجوہات کی بناء پر نوکری چھوڑ گئی۔ اس کے بعد چودہ پندرہ سالہ ثمینہ آئی وہ بمشکل تین ماہ رہی اور جواب دے دیا اس کے بعد راشدہ آئی اور پھر اب سلمیٰ۔ یوں لگتا تھا جیسے جابر کو کم سن ملازمائیں بدلنے کا خبط تھا۔ کیونکہ راشدہ صرف آٹھ برس کی تھی۔

سلمیٰ کچی آبادی میں رہتی تھی۔ وہاں سے وہ روز صبح چھوٹے بھائی کے ساتھ آتی اور

پھر رات کے کھانے کی تیاری اور باورچی خانہ سمیٹنے کے بعد ہی جاتی کام ختم کرتے کرتے اسے نو بج ہی جاتے۔ سائرہ بھی فارغ بیٹھنے کی عادی نہیں تھی۔ صفائی وہ اپنی نگرانی میں کرواتی۔ کالج سے آنے کے بعد وہ مصروف ہو جاتی۔

جواہر آپا کی طبیعت آئے روز خراب رہتی ذراسی حرکت کرنے یا چلنے پھرنے سے ہی ان کی سانس پھولنے لگتی، پھر بھی سائرہ کو ان کی موجودگی بڑی غنیمت لگتی، نماز پڑھنے کے بعد وہ بھی سلمیٰ کے پاس آگئی جو چکن بھون رہی تھی۔ اس نے ملی جلی سبزیوں کا سلاد بنا لیا اور ساتھ ہی املی پودینے کی چٹنی بھی پیس لی کیونکہ جابر کے حلق سے ان دو لوازمات کے بغیر کھانا اترتا ہی نہیں تھا۔

اس کے آنے سے پہلے ہی اس نے کباب بھی تل دیے۔ سلمیٰ پھلکے بنا کر فارغ ہو چکی تھی۔ سائرہ نے جابر بھائی کی گاڑی کا مخصوص ہارن پہچانتے ہی جواہر آپی کے لیے ٹرے میں کھانا سجایا۔ اب اس کے ہاتھوں میں پہلے جیسی پھرتی اور تیزی نہیں تھی۔

جابر بھائی داخلی دروازے سے گزر کر سیدھے ان کے پاس آ رکے تو سائرہ نے ان کی طرف سے اپنا رخ موڑ لیا۔ واضح طور پر اس کے چہرے پہ خوف لہرایا تھا۔

"ہیلو! کیا ہو رہا ہے۔" ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے وہ خوش گوار موڈ میں نظر آ رہے تھے۔

"کچھ نہیں بس ابھی ابھی فارغ ہوئے ہیں۔" وہ ان سے نظریں چرائے چرائے بولی اور پھر خواہ مخواہ ہی صاف برتنوں کو کپڑا پھیر کر دوبارہ سے نادیدہ گرد صاف کرنے لگی۔

سلمیٰ کو اس گھر میں کام کرتے ہوئے ابھی چار ماہ ہوئے تھے اس کی سمجھ سے سائرہ کا یہ انداز بالاتر ہی تھا اور وہ معمولی عقل کی مالک معلوماتی کرنے کی شوقین بھی نہیں تھی۔ جو خواہ مخواہ کھوج لگاتی۔

کھانے کی ٹیبل پہ کاشف، لائبہ اور جابر بھائی کے ساتھ وہ بھی تھی اس نے تو برائے نام ہی کھایا حالانکہ جابر بھائی نے خود ہر چیز بڑھا بڑھا کر پیش کی۔ وہ نظریں چرائے ہاں ہاں ہی کرتی رہی۔ یہ مصنوعی تکلف اس کی مجبوری تھی۔ اس نے ایک بار بھی ان کے چہرے کی طرف دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ کاشف اور لائبہ بھی بڑے تمیز دار بنے بیٹھے رہے۔ پاپا کی موجودگی میں ان کا یہی حال ہوتا تھا۔

"جواہر کہاں ہے۔" جب سے وہ گھر آئے تھے انہیں اب اپنی نصف بہتر کی غیر موجودگی کا خیال آیا تھا۔

"آپا کی طبیعت خراب ہے" اس نے زبان پہ لگی مہر کھولی۔

"اپنے کمرے میں ہیں۔" انھوں نے بغور اس کا جائزہ لیا۔

"اس عورت کی طبیعت ہر وقت خراب رہتی ہے کیسی قسمت ہے میری گھر اور بیوی والا سکون میری قسمت میں نہیں ہے شاید، لاکھوں کماتا ہوں مگر دل خالی خالی ہے میرا۔" جابر بھائی نے لہجے میں تاسف کا رنگ بھرنے کی ناکام کوشش کی۔ سانہ مزید پانی لانے کے بہانے سے اٹھ آئی۔ سلمٰی برتنوں کو دھو کر رکھتی جا رہی تھی۔ وہ فارغ ہونے کے بعد بچا ہوا کھانا لے کر چلی گئی تو اس نے کاشف اور سلاب کے لیے دودھ ابال کر گلاسوں میں ڈالا۔

سونے سے پہلے آخری بار اس نے جواہر آپا کے بیڈ روم کا چکر لگایا۔ جابر بھائی اندر موجود نہیں تھے۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ آپا دوائیوں کے زیر اثر نیند میں تھیں۔ وہ آہستگی سے دروازہ بند کر کے نکل آئی۔

اپنا کمرا اچھی طرح چیک کر کے وہ دروازے کو لاک کر کے بستر تک آئی تھی۔ اگر کوئی اس طرح اسے دیکھ لیتا تو یقیناً عقل سے پیدل سمجھتا کیونکہ وہ بیڈ کے نیچے پردوں کے پیچھے اور کپڑوں کی الماری تک بھی کھول کر دیکھتی تھی۔ ہر طرف سے تسلی کر لینے کے بعد وہ دروازہ لاک کرتی تھی۔

گزشتہ سات سال سے وہ خوف سے جنگ لڑ رہی تھی بظاہر خوف غیر مرئی ہوتا ہے مگر جو اس کا شکار ہوتا ہے بے حال ہو جاتا ہے۔ سات سال کم نہیں ہوتے پورے سات سال ابھی نہ جانے کتنا عرصہ باقی تھا۔

رات کا جانے کون سا پہر تھا۔ گھڑی کی سوئیاں ٹک ٹک کرتے گزرتے وقت کا احساس دلا رہی تھیں۔ ایک ادھوری سی چیخ اس کے لبوں سے نکلی اور نازک جسم بل کھا کر رہ گیا جیسے سخت تکلیف میں ہو۔ اس کی آنکھ کھل چکی تھی۔ وہ گہری نیند کو ترس گئی تھی مہربان نیند اس سے دور دور ہی رہتی۔ پاس پڑے جگ سے اس نے پانی گلاس میں انڈیلا اور ایک ہی سانس میں پی لیا۔ اس کا پورا چہرہ پسینے کے قطروں سے جگمگا رہا تھا۔ خوفزدہ نگاہیں چھت کو گھور رہی تھیں۔ کروٹ بدل کر اس نے آیت الکرسی پڑھی اور دوبارہ سونے کی کوشش کرنے لگی۔۔

اچانک اسے یوں لگا جیسے دروازے کا لاک گھوم رہا ہے ایک دم اٹھ کر اس نے لائٹ جلا دی۔ لاک بدستور اپنی جگہ ساکت تھا۔ اس نے لائٹ بند نہیں کی اور بستر پہ آئی۔

ہم ٹھنڈی سڑک پہ آئے ہیں آئے ہیں
تم کس کو لینے آئے ہو آئے ہو
ہم تم کو لینے آئے ہیں آئے ہیں

دور کہیں خیالوں کی وادی سے اسے ایمن کی کھنکھ دار آواز آرہی تھی۔ ہنسی، مسکراہٹیں، قہقہے سب کچھ ہی تو یاد رکھنے کے لائق تھا پھر وہ کیوں گم ہو گئی تھی۔

اس پرچم کے سائے تلے ہم ایک ہیں
ساتھی اپنی خوشیاں اور غم ایک ہیں

وہ جھوم جھوم کر اپنی سریلی آواز میں ترانہ پڑھ رہی تھی۔ اس کی آواز کی نغمگی سریلا پن اور جوش سب کچھ ویسا ہی برقرار تھا۔

ہم ٹھنڈی سڑک پہ آئے ہیں آئے ہیں
نیلم پری آجا چھپ چھپ کے آجا

وہ پھر شوخیوں پہ اتر آئی تھی۔ اس کمرے میں اس کی آواز روز اول کی طرح اسے گونجتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ کھیل رہی تھی، ہنس رہی تھی، اچھل رہی تھی۔ زندگی کی ساری حرارتوں سے مزین بدستور ایمن شاداب چمکتا چہرہ ریشم جیسے بال، شہد رنگ آنکھیں۔ کچھ بھی تو نہیں بھولا تھا اسے۔

اس گھر میں کسی اور نے اسے یاد رکھا ہو یا نہ ہو مگر وہ اس کی یادوں میں بدستور زندہ تھی۔ تکیے میں منہ چھپائے چھپائے وہ اپنی سسکیاں روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ آنسو جو بلا وجہ ہی اس کی پلکوں کی باڑھ توڑ کر بے وجہ نکل پڑتے تھے۔ رات کے ساڑھے تین بج رہے تھے۔ وہ اپنے ساتھ ایمن کی سسکیوں کی بھی آواز سن رہی تھی۔ آہ ایمن کی فریاد نے آسمان کا سینہ شق نہیں کیا تھا۔ وہ یہیں کہیں تو تھی اس کے آس پاس اس کے اردگرد۔ وہ اس کے سانسوں کی آواز تک اس وقت سن رہی تھی۔ بڑی دیر کے بعد اس کی آنکھ لگی تھی۔

❀ ..... ❀ ..... ❀

اوائل اکتوبر کی جاتی شام کی دھوپ پورے لان میں بکھری ہوئی تھی۔ وہ شمری

مجموعہ گود میں رکھے بیٹھی تھی نظریں لفظوں پہ پھسل رہی تھیں۔

کسی رت کا کوئی دکھ ہو

کوئی سکھ ہو

ہمیں محسوس ہوتا ہے

یہی احساس ہونے کی شہادت ہے

ہماری زندگانی کی علامت ہے

تمہیں حیران ہونے کی ضرورت کیا

چلے جاؤ

تمہیں کیا واسطہ اس سے

کہ ہم تنہائیوں میں کس طرح رہ کر

گزارا وقات کرتے ہیں

تمہیں ہو کیوں غرض اس سے کہ جیتے ہیں کہ مرتے ہیں

چلے جاؤ

ہمارے زخم بھرنے کے نہیں ان دلاسوں سے

کوئی دیکھے تو کیوں دیکھے

کہ کیسے صبر آتا ہے

ہمیں تاریک راتوں میں

کوئی دیکھے تو کیوں دیکھے

کہ کیسے کھو جاتے ہیں

ہم اپنے ساتھ راتوں میں

چلے جاؤ۔

ہمیں محسوس کرنے دو

ہمارا زخم بھرنے دو

کاشف اور لائبہ انمول ڈرامہ دیکھ رہے تھے۔ چھٹی کا دن تھا۔ جابر بھائی بھی گھر میں تھے۔

"بحث کرتی ہے میرے ساتھ، جاہل عورت۔" جابر بھائی پوری قوت سے دھاڑے

آواز یہاں تک آرہی تھی۔ وہ سہم سی گئی اور کتاب وہیں کرسی پہ رکھ کر اٹھ گئی۔

"بحث مت کرو تمہیں یہ حق کس نے دیا ہے۔" جابر کی آواز اب پہلے سے زیادہ بلند تھی۔ وہ وہیں رک سی گئی۔ کسی چیز کے دھم سے گرنے کی آواز آئی اور اندر سے جابر ادھر اُدھر دیکھے بغیر نکلے سیدھے اپنی گاڑی کی طرف آئے اور زن سے نکال کر لے گئے۔

جواہر آپا دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپائے رو رہی تھیں۔ سائرہ کا دل پوری قوت سے جیسے سکڑا پر زبان پہ تالا سا پڑ گیا۔ وہ تسلی کے دو حرف کہنے کی بھی طاقت نہیں پا رہی تھی خود میں۔ چپ چاپ انہیں روتا دیکھتی رہی۔

کاشف اور لائبہ بھی ڈر گئے تھے۔ ٹی وی بند کر کے گم سم سے لگ رہے تھے۔ جواہر کی آنکھوں کے نیچے نیل سا نظر آرہا تھا۔ وہ آپا کے کہے بغیر ہی بہت کچھ جان گئی تھی۔

اشعر نے اسے پہلی بار جابر بھائی کے گھر دیکھا تھا۔ جابر اس کے چھوٹے تایا زمان صدیقی کا بیٹا تھا۔ زمان صدیقی نے سب سے ناراضگی مول لے کر شادی کی۔ جس کی وجہ سے خاندان والوں نے ان سے ملنا جلنا ختم کر دیا۔ کچھ سال پہلے یہ ناراضگی ختم ہوئی تھی چنانچہ پھر سے آنا جانا شروع ہو گیا تھا۔ چھوٹے تایا کی وفات کے بعد جابر کے لیے ان سب کے دلوں میں نرم گوشہ پیدا ہو چکا تھا۔ کاشف اور لائبہ ان کے دونوں بچے بھی بڑے پیارے تھے۔ اشعر کی چھوٹی بہن حمیرا تو بچوں کی دیوانی تھی اکثر اس سے ضد کرتی کہ چلیں جابر بھائی کے ہاں۔ دونوں گھروں میں آدھے گھنٹے کا فاصلہ تھا۔ جواہر بھی ہر موقعے پہ انہیں یاد کرنا بھولتی نہیں تھی۔ بہت ملنسار اور پر خلوص سی تھی۔ خاندان والے اسے پسند کرتے تھے۔ اشعر نے پہلی بار کاشف کی سالگرہ پہ سائرہ کو دیکھا تھا۔ سوئے اتفاق وہ پہلے کبھی نظر ہی نہیں آئی تھی۔

جابر نے اپنے تمام ددھیال کو مدعو کیا تھا۔ سالگرہ کی تقریب عام کی بجائے خاص لگ رہی تھی کیونکہ انتظامات بڑے زبردست تھے۔ وہ سوفٹ ڈرنک پی رہا تھا، جب اشعر کی نظر اس پہ پڑی۔ یہاں ہوتے ہوئے بھی وہ اس ماحول کا حصہ نہیں لگ رہی تھی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں اس کی شخصیت کا سب سے اہم جز تھیں۔ اس کی آنکھوں میں بے نام سا خوف تھا۔ اسی خوف نے اسے سائرہ کی طرف متوجہ کیا تھا۔ عجیب پراسراریت سی تھی اس میں جو بندے کو کھوج لگانے پہ مجبور کرتی نظر آتی۔ اسے دیکھ کر اشعر کے ذہن میں ایک جملہ گونجا "پراسراریت میں لپٹا حسن۔"

اسے بعد میں ہنسی بھی آئی کہ وہ کیوں اس لڑکی کے بارے میں سوچے جا رہا ہے۔ جو جواہر بھابھی کی چھوٹی بہن ہے۔ وہ اس کے بارے میں کچھ جانتا نہیں ہے اور نہ ہی اسے یہ کوشش کرنی چاہیے۔

گھر آ کر اس نے ذہن سے جھٹکنے کی بڑی کوشش کی پر اسے خاص کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ اس کی بڑی بڑی خوف سے بھری آنکھیں خیالوں میں چلی آئیں۔ اس نے بڑی ایمانداری سے مان لیا کہ اس لڑکی کے وجود کی ساری طاقت اس کی خوب صورت آنکھوں میں ہے۔ سی ایس ایس کے بعد وہ پولیس لائن منتخب کر چکا تھا اور بڑی مہارت سے اس میدان میں قدم بھی جما چکا تھا۔ بڑے بڑے مشکل اور پیچیدہ کیس اس نے اپنی ذہانت کے بل بوتے پہ حل کیے تھے مگر ابھی تک اس حسینہ کی آنکھوں سے جھانکتے نامعلوم سے خوف کا وہ سراغ نہیں لگا سکا تھا۔

سمانہ سے اس کی سرسری سی بات چیت ہوتی۔ وہ ٹو دی پوائنٹ بات کرتی اس کے ساتھ ہی وہ منظر سے ہٹ جاتی۔ وہ تین چار بار جابر بھائی کے گھر آیا تھا اس دوران وہ صرف ایک بار نظر آئی تھی۔ وہ گھلنے ملنے کی عادی نظر نہیں آئی تھی کم گو سی اپنے کام سے کام رکھنے والی۔ سادہ اور عام سی۔ مگر اس کے باوجود اشعر کو یقین تھا یہ لڑکی عام سی نہیں ہے اپنے فرائض کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ وہ فری لانس صحافی بھی تھا اس کے لکھے گئے کالم سنجیدہ حلقوں میں خاصے پسند کیے جاتے تھے۔ ستائیس برس کا ہونے کے باوجود ابھی تک کنوارہ تھا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

سمانہ کو یقین نہیں تھا کہ جب وہ کالج سے لوٹے گی تو اسے یہ روح فرسا نظارہ دیکھنے کو ملے گا۔ گھر میں بہت سے لوگ جمع تھے، باہر گاڑیاں بھی تھیں جن میں دو پولیس جیپیں بڑی نمایاں تھیں۔

اندر جابر بھائی خون میں لت پت پڑے تھے پاس ہی آپا بڑے نڈھال انداز میں بیٹھی تھیں ان کی گود میں سمی سی خوفزدہ سی لائبہ تھی۔ ان کے ساتھ والے پڑوسی احسان صاحب بھی وہیں موجود تھے وہ اشعر اور ایک دوسرے پولیس آفیسر کو کچھ بتا رہے تھے مگر سمانہ کے ذہن میں ایک جملہ اٹک گیا تھا۔ "جواہر نے جابر بھائی کو قتل کر دیا ہے۔" جابر کے ددھیال والے سب کے سب ادھر موجود تھے۔ ضروری کارروائی مکمل کرنے اور گواہوں کے بیانات لینے کے بعد جابر کی لاش پوسٹ مارٹم کے لیے بھجوا دی گئی۔ جواہر کو ویمن پولیس کی

ہمراہی میں لے جایا گیا۔

اس موقع پہ کاشف اور لائبہ چیخ چیخ کر روئے۔ سمانہ خشک آنکھوں کے ساتھ لب بستہ آنے جانے والوں کو دیکھتی رہی۔ جابر بھائی کے رشتہ دار اپنے اپنے انداز میں قیاس آرائیاں کر رہے تھے۔ آج کا دن سمانہ کو بہت لمبا اور طویل لگا۔

جابر کا جس جگہ قتل ہوا تھا اس کمرے کو سیل کر دیا گیا تھا۔

اس کی ساری رات آنکھوں میں کٹی۔ اشعر کی امی اور بہن بھی یہیں تھیں۔ بلکہ پورا گھر جابر کے رشتہ داروں سے بھرا ہوا تھا۔ دوسرے روز پوسٹ مارٹم کے بعد لاش گھر آئی۔ دوپہر کے بعد جنازہ اٹھا۔ سمانہ کو ذرا بھی رونا نہیں آیا۔ دونوں بچے نارمل کیفیت میں نہیں تھے۔ خاص طور پہ لائبہ کی حالت بہت خراب تھی کیونکہ اس کی آنکھوں کے سامنے قتل ہوا تھا۔

اشعر ضروری اور دیگر کارروائیوں کے نبٹنے کے بعد واپس آیا تو سب سے پہلے لائبہ کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ اسے سمانہ کی حالت بھی قابل رحم لگ رہی تھی۔ وہ والدین کی حادثاتی موت کے بعد ایک اور بڑے اور عظیم سانحے سے گزری تھی۔ اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں تھا۔

جابر کی موت کے چوتھے دن تک اکثر رشتے دار جا چکے تھے صرف اشعر کی امی، بہن اور چھوٹے چچا کی فیملی تھی۔ اکیلے گھر میں سمانہ اور دو بچوں کو اکیلے چھوڑنا انہیں مناسب نہیں لگ رہا تھا۔

لائبہ تو ہاسپٹل ڈاکٹرز کی نگرانی میں تھی کیونکہ اس کی ذہنی کیفیت نارمل نہیں تھی۔ وہ عجیب بہکی بہکی ناقابل یقین سی باتیں کر رہی تھی۔

ادھر گھر میں تعزیت اور کھوج لگانے کے لیے آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ ایک سے ایک چبھتا ہوا سوال ہوتا" معنی خیز جملے ڈھکے چھپے خدشات کا اظہار بلکہ اب تو جابر کے کردار کے بارے میں قیاس آرائیاں بھی کی جا رہی تھیں۔ اس نے خود اپنے کانوں سے مسز خان کو کہتے سنا تھا۔

"اس لیے میاں کو قتل کیا ہے کہ کہیں اور آنکھیں لگائی تھیں بڑے حوصلے والی عورت ہے۔ مردوں والا کام کر دکھایا ہے پر برا ہوا قتل صفائی سے کرنے کے لیے باوجود پکڑی گئی۔ یہ تو احسان صاحب آگئے ورنہ یہ قتل کر کے بھاگ گئی ہوتی۔" مسز خان مسز عطا کو سرگوشیوں میں

بتا رہی تھیں۔ سائرہ کو اندازہ تھا آج وہ دونوں یہ کہہ رہی ہیں کل سب یہ کہیں گے۔ زبانوں پہ کیسے پہرا بٹھایا جاسکتا ہے۔

اخبارات والے الگ چٹ پٹی خبریں لگا رہے تھے۔ صرف سنجیدہ اخبارات نے غیر جانبدار رپورٹنگ کی تھی وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔

وہ بہت دنوں کے بعد کالج گئی تھی۔ وہاں ہر کلاس فیلو نے اس سے ایک ہی سوال کیا کہ تمہاری بہن نے اپنے شوہر کو کیوں مارا ہے۔ اس روز کاشف بھی اسکول سے واپسی پہ بہت پریشان اور نڈھال لگ رہا تھا۔ سائرہ کے پوچھنے کی دیر تھی وہ رونا شروع ہو گیا۔

"خالہ میرے فرینڈز کہتے ہیں میری مما اچھی عورت نہیں ہیں کیونکہ انہوں نے پپا کو مارا ہے۔" وہ سن سی ہو گئی۔ ایک اور دھچکہ ایک اور امتحان۔ ادھر لائبہ ابھی تک ہاسپٹل میں تھی اسے نارمل کیفیت میں واپسی کے لیے وقت چاہیے تھا۔

کھانے کی ٹیبل پہ صرف وہ اور کاشف تھے۔ وہ انتہائی بے دلی سے کھا رہی تھی۔ کاشف نے صرف تھوڑے سے چاول کھائے۔ سلمٰی کھانے کے بعد برتن اٹھا کر لے گئی۔ سائرہ کاشف کو کمرے میں سلانے لے گئی اس نے آپا کے بیڈ روم میں جانے سے احتراز برتا تھا۔ لائبہ اور کاشف الگ سوتے تھے۔ بہت روز سے ایک سوال سائرہ کے ذہن میں کلبلا رہا تھا پوچھے تو پوچھے کس سے وہ جواہر سے ملنے ایک بار بھی نہیں گئی تھی۔ اس میں اتنی ہمت اور حوصلہ تھا نہیں کہ وہ آپا کو سلاخوں کے پیچھے ایک قاتلہ کے روپ میں دیکھتی۔ پورا ایک ماہ ہو چکا تھا۔ کیس عدالت میں جا چکا تھا جواہر جیل میں تھی۔ سارا گھر بکھر چکا تھا۔ بچے الگ پریشان تھے۔

رات اس کا ارادہ لائبہ کے پاس ٹھہرنے کا تھا۔ گھر میں اشعر کی امی اور چچی تھیں۔ ان دونوں میں سے رات کوئی نہ کوئی اس کے پاس ٹھہرتا تھا مگر اب جب ایک ماہ گزر چکا تھا۔ چچی دبی دبی زبان میں کہنے لگی تھیں۔

"یہ عمر بھر کی ذمہ داری کون اٹھا سکتا ہے ہمارا اپنا گھر اور بچے ہیں۔" ان کا خیال تھا کہ سائرہ گھر کو لاک لگا کر ان کے ساتھ چلی جائے۔ کاشف سو گیا تو وہ باہر آ گئی جہاں صادقہ اور آمنہ دونوں باتیں کر رہی تھیں۔ صادقہ نے اسے آواز دی۔

"سائرہ بیٹا ادھر ہمارے پاس آؤ۔" اس نے سعادت مندی سے سر ہلایا اور ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ صادقہ چند لمحے اسے دیکھتی رہیں اور پھر بات کا آغاز کیا۔

"ساندہ تم نے آئندہ کے بارے میں کیا سوچا ہے۔" سوال آسان تھا مگر وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ ناقابل فہم انداز میں انہیں دیکھنے لگی۔

"میرا مطلب ہے کہ جواہر جیل میں ہے۔ اس کے پس پردہ جو حقائق ہیں ہمیں نہیں پتا مگر سب افسوس ناک ہے لائبہ ہاسٹل میں ہے گھر میں تم ہو۔ اکیلی لڑکی ہو یہ پوش ایریا ہے بڑی بڑی وارداتیں ہوتی ہیں یہاں۔ کسی کی نیت بھی خراب ہو سکتی ہے۔ جب تک ہم سے ہو سکا تھا ہم یہاں رہے جو کہ وقت کا تقاضا بھی تھا مگر اب یہ مزید ممکن نہیں ہے تمہارے ساتھ کوئی مرد نہیں ہے اس لیے بہتر یہ ہے کہ تم ہمارے ساتھ گھر چلو تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی۔"

"میں سوچوں گی۔" وہ جب بولی تو اس کا لہجہ جذبات سے عاری تھا۔ آمنہ چچی اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

رات وہ لائبہ کی طرف چلی گئی۔ وہ اب بہتری کی طرف لوٹ رہی تھی، یہ بڑی حوصلہ افزا بات تھی۔ ایک ہفتہ بعد وہ مکمل طور پہ تندرست ہو کر گھر آئی تو اس کے ذہن سے جیسے کوئی بھاری بوجھ اترا۔ اس دوران اشعر روز چکر لگاتا رہا۔ صادقہ بھی آتی رہیں باہر چوکیدار رات دن موجود رہتا۔ اس سانحے کے بعد اشعر سے کہہ کر اس نے گل شاہ کے علاوہ ایک اور چوکیدار رکھ لیا تھا۔ گل شاہ رات کو ڈیوٹی پوری کرتا اور دوسرا دن کو گیٹ پہ موجود رہتا۔

❁ ---- ❁ ...... ❁

اس دن چھٹی تھی۔ دس بجے کے قریب وہ سو کر اٹھی تو اشعر آیا بیٹھا تھا اسے شرمندگی سی ہوئی جانے وہ کب سے آیا بیٹھا تھا۔ اس نے سلام کیا تو جواباً وہ خوش دلی سے مسکرایا۔ وہ ادھر ہی بیٹھ گئی اور عام رسمی سی باتیں ہونے لگیں۔ ساندہ نے اس عرصے میں جان لیا تھا کہ چاچا کے رشتہ داروں میں یہ بہت مخلص نوجوان ہے، یہی حال اس کے سارے گھرانے کا تھا۔

"جواہر بھابی آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔" وہ اخبار کے صفحے پلٹتے ہوئے عام سے انداز میں بولا۔ تو وہ سن سی ہو گئی۔

"تو پھر کب چل رہی ہیں آپ میرے ساتھ" وہ خاموش رہی۔

"اس طرح کریں کہ کاشف اور لائبہ کے اسکول جانے کے بعد آپ تیار رہیں میں اسی وقت آؤں گا۔" وہ ناخنوں سے ناخن چھپانے لگی۔ چہرہ اندرونی اضطراب کا غماز تھا۔

"چاچا بھائی کے بزنس کے معاملات بھی دیکھنے ہیں بڑا بکھیڑا ہے مگر ایک بات کہنی

پڑے گی کہ ان کا منیجر بڑا ایمان دار ہے۔ آپ بھی آفس کا چکر لگا لیا کریں۔ میں اپنا بھی ایک قابل اعتماد شخص وہاں چھوڑوں گا' مگر آپ کا جانا وہاں ضروری ہے ورکر ذمہ داری سے کام کریں گے۔"

"ٹھیک ہے میں آہستہ چند روز میں جانا شروع کر دوں گی کیونکہ پڑھائی چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے میں نے۔" وہ آہستگی سے بولی تو اشعر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

"پڑھائی کیوں چھوڑنے کا فیصلہ کیا آپ نے۔"

"میں لوگوں کو فیس نہیں کر سکتی شاید۔" وہ بے بسی سے بولی۔

"غلط فہمی ہے آپ کی آپ بہت بہادر ہیں سارہ جس طرح آپ نے سب کچھ حوصلے سے سہا ہے بہت کم لوگ اس طرح کر سکتے ہیں اور آپ ان قلیل لوگوں میں سے ایک ہیں۔ زندگی کبھی بہت مشکل لگنے لگتی ہے' مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ زندگی ہمیشہ اسی طرح مشکل رہے گی۔ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔"

"میں شکر گزار ہوں ایک اور کام بھی آپ سے کروانا ہے لائبہ اور کاشف کو کسی اور اسکول میں ایڈمٹ کروا دیں۔ میں نہیں سمجھتی کہ یہاں وہ سیٹ ہیں۔ ان کے کلاس فیلو طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں' میں نہیں چاہتی کہ وہ ڈسٹرب ہوں۔"

"ٹھیک ہے یہ کام بھی جلدی ہو جائے گا مگر ایک دوستانہ سا مشورہ ہے کہ آپ اپنے بارے میں بھی سوچ لیں۔" وہ قصداً خاموش ہو گیا تو سارہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ چپ رہا تو اس کے لبوں پہ تلخ سی مسکراہٹ آ گئی۔

"میں رات امی کو بھیج دوں گا اس طرح اکیلے رہنا مناسب نہیں ہے۔ چچی کہہ رہی تھیں کہ آپ نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا ہے۔"

"نہیں میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔" اس نے فوراً وضاحت کی تو اشعر کے لبوں پہ مسکراہٹ آ گئی۔

"میرا اندازہ ہے آپ سچ مچ حوصلے والی ہیں اور کبھی بھی کسی کے گھر جا کر نہیں رہیں گی۔"

"آپ درست کہہ رہے ہیں۔ میں کاشف اور لائبہ کو لے کر کسی کے گھر نہیں جاؤں گی کیونکہ میں اکیلی نہیں ہوں اگر اکیلی ہوتی تو بھی سوچتی پر اب تو وہ بھی میرے ساتھ ہیں ان کے لیے میں نہیں سوچوں گی تو اور کون سوچے گا۔ میں انہیں سب کی تلخ باتوں سے بچانا چاہتی

ہوں تا کہ وہ نارمل انداز میں جی سکیں بیشک ہو کہ ایک اور......" بولتے بولتے کوئی خیال آنے پہ وہ اچانک خاموش ہو گئی۔ اشعر اس دوران مکمل توجہ اسی پہ مرکوز کیے رہا۔

"گویا آپ کے بارے میں میرا اندازہ بالکل ٹھیک تھا۔ میرے جاننے والے ہیں وہ میاں بیوی قابل اعتماد اور قابل بھروسہ ہیں۔ میں انہیں یہاں چھوڑ دیتا ہوں اس طرح آپ کی تنہائی کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا آپ خود کو محفوظ تصور کریں گی۔"

"تھینک یو اشعر بھائی۔" بے ساختہ اس کے لبوں سے نکلا تھا اور شاید اس کی آواز بھی بھرا نے لگی تھی تب ہی تو وہ اسے چونک کر دیکھنے لگا تھا۔ بمشکل تمام سمانہ نے اپنے آپ کو سنبھالا۔

"میں کل جاہر آپا سے ملنے جاؤں گی۔"

"میں آ جاؤں گا۔" وہ کسی سوچ میں گم لگ رہا تھا۔ سلمیٰ اس دوران چائے کی ٹرالی وہاں لے آئی تھی۔

"آپا نے کاشف اور لائبہ سے ملنے کو تو نہیں کہا۔" اس نے نظریں چراتے چراتے پوچھا۔

"نہیں مجھ سے انہوں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔" وہ چائے کے ہلکے ہلکے سپ لے رہا تھا۔

اشعر چائے پی چکا تو اس نے سلمیٰ کو برتن لے جانے کو کہا۔ وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا تو سمانہ اس کے ساتھ پورچ میں کھڑی اس کی کریم کلر کی گاڑی تک ساتھ آئی۔

"کاشف اور لائبہ کے اسکول کا مسئلہ جلدی حل کرنا ہے آپ نے۔" اس نے پھر یاد دہانی کرائی تو اس نے سر ہلایا۔ وہ گیٹ سے باہر جاتی اس کی گاڑی کو دیکھ رہی تھی۔ چوکیدار گیٹ پہ مستعد انداز میں کھڑا تھا۔ وہ مطمئن سی ہو کر مڑ آئی۔ جتنی وہ باہر سے مطمئن نظر آ رہی تھی درحقیقت اندر سے ایسا نہیں تھا۔

ذہن سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ نہ جانے وہ جاہر آپا سے کیسے ملے گی۔ وہ اس سے کیا کہیں گی وہ کیسے ری ایکٹ کرے گی کیا وہ نارمل رہ پائے گی۔ فی الحال وہ انہی سوالوں میں پھنسی ہوئی تھی۔

❀......❀......❀

دوسرے روز اشعر جب آیا تو وہ بالکل تیار تھی۔ جیل کے احاطے میں داخل ہونے کے بعد اس نے گاڑی مخصوص جگہ کھڑی کرنے کے بعد سمانہ کی ہمراہی میں قدم ملاقاتیوں کے کمرے کی طرف بڑھائے۔ اس نے باہر رک کر سمانہ کو اندر جانے کا اشارہ کیا تو وہ بے بسی سے

اسے دیکھ کر رہ گئی۔ گھر سے یہاں تک آتے ہوئے وہ مستقل ایک ذہنی تناؤ کا شکار رہی تھی۔ اشہر ساتھ تھا تو اسے حوصلہ سا تھا۔ اب وہ اسے چھوڑ کر واپس ہو گیا تھا۔ اشہر کی کوشش اور تعلقات کی وجہ سے یہ ملاقات قدرے آسانی سے ہو گئی تھی۔ جواہر آپا کے سامنے پہنچ کر اس کی نگاہیں جھک سی گئیں۔ وہ کتنے دن بعد ان کے سامنے آئی تھی اور یہی بات اسے سب سے مشکل لگ رہی تھی۔ اس نے بڑے حوصلے سے نگاہیں اٹھائی تھیں۔ اس کے دل کو دھکا سا لگا۔ آپا کے چہرے پہ زردی کھنڈی ہوئی تھی۔ روشن آنکھوں اور شاداب چہرے کی چمک ماند پڑ گئی تھی۔ گلابی رنگت میں سیاہی گھلی ہوئی تھی۔ سفید ہاتھوں کی رگیں نمایاں لگ رہی تھیں۔

انہوں نے سمانہ کے ہاتھ تھام لیے تھے۔ لب کچھ کہنے کی کوشش میں پھڑ پھڑا کر رہ گئے۔

"آپا یہ آپ نے کیا کر دیا۔" اس کی آنکھیں چھلک گئیں۔ اس نے آپا کے لرزتے کانپتے وجود کو باہوں کے گھیرے میں لینے کی کوشش کی۔

"پھر بتاؤ نا میں کیا کرتی۔" وہ اس کے سینے سے سر لگائے ہچکیاں لے رہی تھیں۔

"میں نے بہت دیر کر دی ثمانہ یہ سب تو بہت پہلے ہو جانا چاہیے تھا۔" وہ آہستہ آہستہ بول رہی تھیں۔

"آپا آپ عدالت میں اپنے بیان سے مکر جائیں۔ اشہر بھائی نے چوٹی کا وکیل کیا ہوا ہے۔"

"نہیں سمانہ میں ایسا کچھ نہیں کہوں گی۔" غصے سے جواہر کی آنکھیں سلگ اٹھیں۔

"میں بہت تھک گئی ہوں بہت زیادہ سونا چاہتی ہوں بہت لمبی پر سکون اور گہری نیند، اگر میں سو گئی تو میری لائبہ اور کاشف کا خیال رکھنا۔" خواب ناک لہجے میں بولتی جواہر اسے بہکی بہکی سی لگیں۔

"اب تم ان کا سب کچھ ہو تمہارے سوا ان کا کوئی نہیں ہے یہ یاد رکھنا۔" عجیب ہذیانی لہجہ تھا ان کا۔ ایک لمحے کے لیے سمانہ بھی ڈر گئی۔

"جو باتیں ہم دونوں کے درمیان ہو رہی ہیں انہیں یاد رکھنا میں نے فیصلہ کیا ہے کہ خاموش رہوں گی۔" اتنا کہنے کے بعد وہ رک گئیں جیسے کچھ اور کہنے کے لیے لفظ ڈھونڈ رہی ہو وہ جی جان سے آپا کی طرف متوجہ تھی جو چہرے پہ آیا پسینہ صاف کر رہی تھیں۔

"اسی میں میری، تمہاری، کاشف اور لائبہ کی بھلائی ہے۔" جواہر پھر سرگوشیوں میں

بول رہی تھیں۔ پھر انہوں نے اپنے سر سے بوجھ اتار کر اس کے سر پر رکھ دیا۔ کسی نہ کسی کو یہ صلیب تو اٹھانی تھی اب وہ بھی اس میں حصہ دار ہو گئی تھی۔ ایک گھنٹا بڑی جلدی گزر گیا۔ وہ وہاں سے چلی تو شدت گریہ سے اس کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ اشعر نے اسے واپس آتا دیکھ کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ بیٹھ کر سر نڈھال انداز میں اس نے سیٹ کی بیک سے ٹکا دیا۔ اشعر نے بغور اسے دیکھا۔

"سمانہ تم اکیلی نہیں ہو میں بلکہ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ جو وکیل جواہر بھابھی کا کیس لڑ رہے ہیں بہت منجھے ہوئے اور تجربہ کار ہیں چوٹی کے وکیل ہیں۔ تم فکر مت کرو رضوی صاحب کے پاس ایسے ایسے پوائنٹس ہیں جس کی وجہ سے جواہر بھابھی کو اگر سزا ہو بھی گئی تو بہت کم ہوگی عدالت ان سے نرمی کا سلوک کرے گی، کیونکہ میں بھابھی کے ڈاکٹر سے بھی ملا ہوں، جن کے پاس وہ زیر علاج تھیں۔

انہوں نے خود مجھ سے ڈسکس کیا ہے کہ وہ بہت الجھی الجھی سی رہنے لگی تھیں۔ ان کی ذہنی حالت نارمل نہیں تھی کون سا انہوں نے سوچ سمجھ کر منصوبہ بنا کر قتل کیا ہے۔" اشعر اسے مسلسل تسلی دے رہا تھا۔ بھلا سے کیا پتا کہ جواہر نے کیا ٹھانی ہوئی تھی یا انہوں نے کیا سوچ رکھا تھا۔ اس نے اشعر کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا بلکہ آنکھیں بند کیے رہی۔ سڑک کے کنارے ریسٹورنٹ دیکھ کر اشعر نے گاڑی روک دی۔

"نیچے اترو۔" وہ بے تکلفی سے بولا۔ آج پہلی بار اس نے سمانہ کو آپ کی بجائے تم سے مخاطب کیا تھا۔

"کیوں۔" وہ متذبذب ہوئی۔

"یہاں بڑی اچھی چائے ملتی ہے میں اکثر پینے آتا ہوں تم مجھے خاصی ڈسٹرب لگ رہی ہو آؤ۔" وہ اس کی طرف کا دروازہ کھول چکا تھا۔ ناچار وہ اتر آئی۔

باہر کے مقابلے میں اندر کی فضا خاصی پرسکون اور خنک سی تھی۔ اشعر نے نسبتاً الگ سی میز کا انتخاب کیا۔ چائے آنے تک وہ خاموش رہا جب کہ وہ بے کلی سے بار بار رسٹ واچ دیکھتی رہی۔

"سمانہ کیا پریشانی ہے۔" وہ اس کی ایک ایک حرکت نوٹ کر رہا تھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

"میری بات یاد رکھنا کہ مالک دو جہاں کسی بھی ذی نفس پہ اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔"

ویٹر کو آتا دیکھ کر وہ خاموش رہا۔ چائے کے ساتھ دیگر لوازمات رکھنے کے بعد ویٹر چلا گیا۔ اشعر نے اپنا کپ اٹھا لیا۔ سامنہ نے بھی تقلید کی۔ کچھ دیر کی خاموشی اسے بڑی غنیمت لگی۔ بعد میں اشعر نے اس کے لیے آئسکریم منگوائی۔ جو انچاہی بے دلی کے ساتھ اس نے زہر مار کی۔ وہ جلد سے جلد یہاں سے جانا چاہتی تھی پر اشعر تھا کہ اسے یہ موقع دے ہی نہیں رہا تھا۔

"جواہر بھابھی نے تم سے کیا کہا۔" وہ سن سی ہو گئی وہ کیوں اس سے پوچھ رہا تھا کیوں اس راز کی تہ تک پہنچنا چاہتا تھا جو آپا اور اس کے درمیان تھا۔

"کچھ خاص نہیں کاشف اور رانیہ کے بارے میں فکر مند تھیں۔"

"ہاں یہ تو قدرتی سی بات ہے آخر کار وہ ماں ہے انہیں فکر نہیں ہو گی تو اور کسے ہو گی۔" اس نے بھی سر ہلا کر تائید کی۔ اسی وقت اس نے شکر ادا کیا جب اشعر بل کی ادائیگی کر کے باہر نکلا۔ واپسی پہ گھر پہنچنے کے بعد اس نے اشعر کو رسماً بھی اندر آنے کے لیے نہیں کہا۔ وہ حیرانی سے الجھے انداز میں اسے داخلی دروازے سے اندر غائب ہوتے دیکھتا رہا۔

❁......❁......❁

میرے درد کو جو زباں ملے
میرا درد نغمہ بے صدا
میری ذات ذرہ بے نشاں
میرے درد کو جو زباں ملے
مجھے اپنا نام و نشاں ملے
مجھے راز نظم جہاں ملے
جو مجھے یہ راز نہاں ملے
میری خامشی کو بیاں ملے

پس منظر سے گھٹی گھٹی چیخوں اور سسکیوں کی وہی جانی پہچانی آواز آ رہی تھیں۔
آنسو، کراہیں، واسطے، اذیت، درد، خاموشی، طویل خاموشی کا لمبا وقفہ۔

اذیت در اذیت

کبھی نہ ختم ہونے والی اذیت

پھر نجات ہمیشہ کی نجات

سفید چادر پہ خون کے سرخ سرخ دھبے۔ پوری چادر اس کے دیکھتے دیکھتے رنگین ہو گئی۔ دم رخصت آخری کوشش، رہائی کی آخری کوشش ایک لمبی ہچکی اسے یوں لگا سارا کمرہ سرخ سرخ لہو سے بھرا ہوا ہے پھر اس لہو سے مجسم ایک وجود بن گیا۔

پس منظر سے گلوکارہ کی آواز اب مدھم ہونی شروع ہو گئی تھی۔

میرا درد نغمہ بے صدا
میرے درد کو جو زباں ملے
میرے درد کو جو زباں ملے

وہ سرخ لہو سے بنا وجود لمحہ بہ لمحہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا کچھ ہی دیر کی بات تھی وہ ہاتھ بڑھا کر اسے چھو لیتا پھر وہ اس کے قابو میں ہوتی اس کے ساتھ بھی وہی کھیل کھیلا جاتا، وہی اذیت وہی درد۔

"نن نن نہیں، بچاؤ بچاؤ!" وہ پوری قوت سے چیخ پڑی۔ ساتھ سوتے ہوئے کاشف اور لائبہ بھی جاگ گئے۔ اس نے پھر وہی خواب دیکھا تھا۔ وہی خواب جو وہ آٹھ سال سے دیکھ رہی تھی وہی منظر وہی چہرے وہی سب کچھ، کچھ بھی تو نہیں بدلا تھا۔

کاشف اور لائبہ دونوں اس کے ساتھ چمٹ گئے۔ اس کی چیخ اتنی بلند تھی کہ سرونٹ کوارٹر میں سوئے دونوں میاں بیوی بھی اس کی آواز سن کر جاگ گئے اور صورت حال جاننے ادھر چلے آئے۔

"کچھ نہیں خواب میں ڈر گئی تھی۔" کریم اور اس کی بیوی ذبیدہ کے سامنے وہ شرمندہ سی ہو گئی۔ دونوں کو اس نے بھیج دیا۔ ان دونوں بہن بھائی کو بازوؤں کے گھیرے میں لے کر وہ سونے کی کوشش کرنے لگی۔

وہ سو گئے تو اس نے خود کو بری طرح ملامت کی۔

"اگر میں اسی طرح کمزوری دکھاتی رہی تو ان کا کیا ہوگا اب میں کیوں ڈرتی ہوں اب بچا ہی کیا ہے جس سے ڈرا جائے۔" وہ لائبہ کے سر پہ پیار سے ہاتھ پھیر رہی تھی۔ کاشف سو چکا تھا۔ سوتے میں وہ بے انتہا معصوم لگتے تھے۔ خاص طور پہ لائبہ براؤن گھنے بالوں کی پونی

نیل بنائے اتنی کیوٹ لگتی تھی کہ راہ چلتوں کو پیار آ جاتا۔ ایسی ایسی باتیں کرتی کہ وہ حیران رہ جاتی۔ کل ہی اس نے بڑی معصومیت سے پوچھا تھا۔

"خالہ! پپا مجھے چھری کیوں مارنا چاہتے تھے میں نے تو کچھ نہیں کیا تھا۔" وہ سن ہو گئی تھی۔

"نہیں بیٹا ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ آپ کو صرف ڈرا رہے تھے۔ مذاق کر رہے تھے آپ نے ٹیسٹ جو ٹھیک نہیں دیا تھا۔" اسے بروقت جواب سوجھ ہی گیا۔

"خالہ میں اب اچھا اچھا ٹیسٹ دوں گی۔ آئی پرامس۔" لائبہ بچی تھی ذرا بہل گئی۔ اس کا اگلا سوال پہلے سے زیادہ مشکل تھا۔

"خالہ مما جیل میں کیوں ہیں وہاں سے کب آئیں گی۔"

"بیٹا اصل میں مما بیمار ہیں نا اس لیے ادھر گئی ہیں، جب ٹھیک ہو گی تو واپس آ جائیں گی۔" اپنے تئیں اس نے لائبہ کو تسلی بخش جواب دیا تھا "وہ ڈاکٹر کے پاس کیوں نہیں جاتی ہیں وہاں جائیں نا پہ ہے بھائی کہتا ہے مما اس لیے جیل گئی ہیں کہ انہوں نے پپا کا مرڈر کیا ہے۔" اس نے اپنی معصوم سی عقل کے سہارے ہی بات کی تھی۔

"نہیں لائبہ جانو یہ بات نہیں ہے مما نے جان کر یہ سب نہیں کیا ہے۔" اس نے دانستہ لفظ مرڈر نہیں کہا تھا۔

"وہ غلطی سے چھری پپا کو لگی ہے وہ پہلے ہی بیمار تھے۔" اب اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اور کیا بات کرے۔ بڑی مشکل سے اس نے موضوع تبدیل کیا تھا۔

اشعر کی کوششوں کی وجہ سے ان دونوں کا ایڈمشن ایک دوسرے اچھے اسکول میں ہو گیا تھا اس طرف سے اس کا دل پر سکون ہو گیا مگر زندگی میں مکمل سکون شاید ناپید تھا۔ جابر کے خاندان میں جواہر کے بارے میں چہ میگوئیاں سے نئے رنگ اختیار کر رہی تھیں۔ سب کا خیال تھا کہ جواہر کسی اور میں انوالو تھی اس نے جابر کو اس لیے راستے سے ہٹایا تھا کہ اپنے عاشق سے شادی کر کے ساری دولت بھی سمیٹ سکے۔ مگر برا ہوا جو یہ قتل سامنے آ گیا۔ اس یقین یا گمان کی وجہ سے سائرہ کی ذات بھی شک وشبے سے بالاتر نہیں رہی تھی۔ خاص طور پر آمنہ چچی کی ساری فیملی کو عجیب سی کرید لگی ہوئی تھی۔

آمنہ چچی کے چھوٹے بیٹے کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔
صادقہ چچی نے فون کر کے سمانہ کو بھی جانے کی تاکید کی تھی وہاں ضرور جانا اب تم ایک طرح سے ہمارے خاندان کا حصہ ہو اگر نہیں گئیں تو آمنہ کو غصہ آئے گا۔

"ٹھیک ہے میں آتی ہوں آپ کے ساتھ ہی جاؤں گی۔" وہ اسی وقت مان گئی۔
آمنہ چچی کے ہاں تقریباً سارا خاندان ہی جمع تھا۔ ذیشان کا ایکسیڈنٹ اپنی غلطی کی وجہ سے ہوا تھا۔ زیادہ سیریس بات تو نہیں تھی مگر آمنہ حسب عادت شور کر رہی تھیں۔ سمانہ پھول اور فروٹ لے گئی تھی۔ حال احوال کے فوراً بعد انہوں نے کہا۔

"آمنہ کیسی باتیں کرتی ہو یہ پہلے ہی اتنی زیادہ اپ سیٹ ہے" صادقہ نے انھیں سہولت سے ٹوکا پر وہ شرمندہ ہونے والوں میں سے نہیں تھیں انھیں پورا یقین تھا کہ جابر کے قتل کے ساتھ اس کا یعنی سمانہ کا مفاد بھی وابستہ ہے۔ انھیں یہ بات کھائے جارہی تھی کہ جابر کے قتل کے بعد اس کی ساری جائیداد اس کے قبضے میں چلی جائے گی کیونکہ لائبہ اور کاشف دونوں ابھی بہت چھوٹے تھے خود جابر جیل میں تھی ظاہر ہے کوئی نہ کوئی فیصلہ ہونے تک مالک و مختار تو سمانہ ہی تھی نا۔ وہ چھوٹی سی پانچ فٹ کی لڑکی۔

سمانہ جتنی دیر وہاں رہی دل پہ جبر کر کے بیٹھی رہی۔ ذیشان ایکسیڈنٹ ہونے کے باوجود خوب چہک رہا تھا۔ جابر کے قتل کے بعد وہ روز انسان کے یہاں پورا مہینہ آتا رہا تھا۔ وہ اس سے اچھی خاصی واقف ہو گئی تھی۔

"سارا دفتر بھی تم نے سنبھال لیا ہے اچھی طرح سے۔" آمنہ چچی کے لہجے میں حسد بھرا ہوا تھا جسے انہوں نے عام سے طریقے اور الفاظ سے چھپانے کی کوشش کی تھی۔

"میں تو کہتی ہوں شادی کر لو خوامخواہ جان عذاب میں پھنسائی ہوئی ہے تمہاری ابھی عمر ہی کیا ہے۔ یہ کیس جائیداد روپوں پیسوں کے بکھیڑوں سے نپٹنا تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔ تم نازک سی لڑکی ہو شادی ہو جائے گی تو تمہاری مشکلات کم ہو جائیں گی۔ یہ معاملات تمہارے لیے نہیں ہیں شادی کرو شوہر کے دل پہ حکمرانی کرو مگر میں جانتی ہوں کہ تمہارے دل میں بچوں کے حوالے سے خوف بھی ہے۔" یکدم وہ بے پناہ ہمدرد نظر آنے لگی تھیں۔

"اس لیے میرا مشورہ ہے کہ کسی دیکھے بھالے بندے سے شادی کرو جو تمہیں چاہتا ہو تمہاری قدر کر سکے اور بچوں کو بھی برداشت کر لے۔ ہمارے دل میں تمہارے لیے بڑی

چاہت ہے اس کا دھیان رکھنا۔" وہ اسے سوچوں میں غلطاں چھوڑ کر سامنے سے ہٹ گئیں۔

آمنہ چچی نے کھانے کا انتظام کیا ہوا تھا وہ کہنے کے باوجود انہوں نے اسے کھانا کھائے بغیر اٹھنے نہیں دیا جب واپس آنے لگی تو انہوں نے پھر اسے یاد دہانی کرائی۔

"سمانہ میری باتوں پہ غور کرنا براست مانا جواہر کے حوالے سے اب تم بھی ہماری اپنی ہو دکھ دیکھا نہیں جاتا۔ تمہارا بہنوئی قتل ہو چکا ہے۔ بہن جیل میں ہے اور تم کمزور سی اکیلی جان کیا کیا کرو گی ہم تمہارے ساتھ ہیں بلکہ ذیشان تو کہہ رہا تھا اس سے تمہارا اکیلا پن اور پریشانی دیکھی نہیں جاتی، میرا بیٹا بڑا احساس اور ہمدرد ہے اس لیے تمہارے بارے میں فکر مند تھا۔ مجھے بھی خوشی ہوئی کہ کسی کو تو تمہاری فکر ہے۔" وہ بے دلی سے سر ہلا کر رہ گئی صادقہ چچی واپسی میں اسے اپنے ہاں لے گئیں۔ کافی دیر وہاں باتوں میں گزر گئی پھر ڈرائیور اسے چھوڑ کر آیا۔

کاشف اور لائبہ اسکول سے آ چکے تھے اسے شرمندگی سی ہوئی اور محسوس ہوا کہ اس نے بہت دیر لگا دی ہے۔ کیونکہ لائبہ رو رہی تھی۔

"خالہ آپ کہاں چلی گئی تھیں۔"

کاشف اسے دیکھتے ہی ناراضگی سے بولا۔ اس کا منہ پھولا ہوا تھا۔

"خالہ کی جان آئم سوری میں چچی کے ہاں چلی گئی تھی، وہاں سے واپسی میں دیر ہو گئی آئندہ ایسا نہیں ہو گا پہلی اور آخری بار یہ غلطی ہو گئی ہے کان پکڑ کر معافی مانگتی ہوں۔"

اس نے سچ مچ کان پکڑ کر منہ پہ افسوس ناک تاثرات طاری کر لیے تو کاشف ہنس پڑا۔ لائبہ بھی رونا بھول کر دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی اس نے لائبہ کو گود میں بٹھا لیا۔

"آئندہ کچھ روز میں، میں آفس جوائن کر لوں گی، تب کیا ہو گا پھر تو میں لیٹ واپس آؤں گی آپ بہادر بنو۔ شام میں کریم چاچا کے ساتھ پارک چلے جایا کرو۔" اس نے تجویز دی تو کاشف مچل گیا۔

"نہیں خالہ آپ جلدی واپس آیا کریں گی اور ہم کریم چاچا کے ساتھ پارک نہیں جائیں گے اگر جائیں گے تو صرف آپ کے ساتھ کیونکہ میں نے ٹی وی پلے میں دیکھا ہے چھوٹے بچوں کو باہر کے کسی بھی بندے کے ساتھ اکیلا نہیں بھیجنا چاہیے۔"

"اور ہاں بھائی یہ بھی بتایا ہے کہ کسی سے کوئی چیز بھی ماما کی اجازت کے بغیر لے کر نہیں کھانی چاہیے۔" لائبہ بھی شریک گفتگو ہو گئی۔

"مگر ہماری مما تو ہمارے پاس ہیں ہی نہیں۔" کاشف اداسی سے بولا تو اس کا دل کٹ سا گیا۔ اس نے قصداً بچوں کا ذہن ہٹایا۔

"اچھا اور کیا دکھایا ہے اس پلے میں۔"

اس میں یہ بتایا ہے کہ جو گندے گندے انکل ہوتے ہیں وہ مٹھائی، آئس کریم، چاکلیٹ اور پیسوں کا لالچ دے کر چھوٹے بچوں کو ساتھ لے جاتے ہیں اور پھر مار دیتے ہیں۔" کاشف نے بڑے پتے کی بات کی تھی۔

"ہاں بھائی کھانے کی چیزوں میں بے ہوشی کی دوائی ہوتی ہے اسے کھاتے ہی بندہ بے ہوش ہو جاتا ہے۔"

"اس لیے ہمیں اکیلے باہر نہیں جانا چاہیے اور اگر گندے انکل مل جائیں تو اسی وقت مما کو بتانا چاہیے اور ان سے کوئی چیز بھی لے کر نہیں کھانا چاہیے اور اپنے آپ کو ہاتھ نہیں لگانے دینا چاہیے کیونکہ ہمارا جسم ہمارا ہے کسی کو حق نہیں وہ اسے ہاتھ لگائے۔"

کاشف اس مشہور ٹی وی پروگرام کی ہو بہو نقل اتار رہا تھا۔" سامنہ یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔ وہ کتنی بڑی بڑی باتیں کر رہا تھا۔

وہ پھر سے سوچوں کے گرداب میں ابھرنے اور ڈوبنے لگی۔ ذہن کاشف کے جملے پہ اٹک گیا تھا۔

"ہمارا جسم ہمارا ہے کسی کو حق نہیں کہ اسے ہاتھ لگائے۔"

"یہاں جسم پہ کیا موقف روح تک اذیت سے بھری ہوئی ہے۔" وہ عجیب سے لہجے میں اپنے آپ سے بولی، شکر تھا کہ کاشف اور لائبہ اپنی باتوں میں مگن تھے، ورنہ شاید اس جملے کا مطلب پوچھ بیٹھتے پھر وہ کیسے اس کی وضاحت کر پاتی۔ شاید وہ کبھی بھی تشریح نہ کر پاتی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

ایک چھ سال کی بچی کے ساتھ زیادتی کا کیس اس کے پاس آیا تھا۔ بچی کا تعلق ٹھیک ٹھاک معزز گھرانے سے تھا اس لیے یہ کیس تھانے تک پہنچا تھا ورنہ اگر کوئی روایتوں کا مارا گھر ہوتا تو بات وہیں دبا دی جاتی اور کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہو پاتی۔ اشعر پوری جانفشانی سے کام کر رہا تھا تاکہ ملزم کو سزا دلوائی جا سکے۔ زیادتی کا مرتکب ایک سولہ سال کا لڑکا تھا۔ بچی کے گھر وہ ملازم تھا۔ سارے گھر والے شادی کی ایک تقریب میں گئے ہوئے

تھے۔ بچی ملازم کے ساتھ اکیلی تھی۔ بتایا گیا کہ چونکہ اس کی طبیعت خراب تھی اس لیے ماں اسے ساتھ لیے بغیر چلی گئی تھی۔ اشعر اس وکیل پہ بھنا گیا تھا اور یہ کہتے کہتے بمشکل رکا تھا آپ بھی نہ جاتیں بچی کے ساتھ رہتیں۔

ملازم کا بیان تھا کہ اس کی بچی پہ مجرمانہ حملے کا کوئی بھی ارادہ نہیں تھا۔ وہ ٹی وی پروگرام دیکھ کر گھر والوں کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا تاکہ جب گھر والے واپس آئیں تو وہ فوراً گیٹ کھول سکے۔ کیبل پہ ایک بیہودہ فلم چل رہی تھی وہ فلم دیکھ کر اس کا دماغ الٹ گیا اور وہ جذبات میں اندھا ہو کر بچی کے کمرے میں گھس گیا۔ وہ اپنے مذموم شیطانی مقاصد کی تکمیل میں کافی حد تک کامیاب ہو چکا تھا جب مالکوں میں سے ایک اچانک واپس آ گیا اب اس کے پاس بھاگنے کا وقت نہیں تھا کیونکہ تھوڑی دیر میں باقی سب گھر والے بھی واپس آ چکے تھے۔

بچی بے ہوش تھی اور اس کی حالت کافی سنگین تھی۔ بچی کے باپ کا ارادہ تو اسے جان سے مارنے کا تھا مگر گھر والوں نے پولیس کو فون کر دیا پھر بھی تھانے آنے سے پہلے تک ملازم کی ٹھیک ٹھاک مزاج پرسی ہو چکی تھی وہ شدید زخمی حالت میں تھا۔ مقدمہ زیر سماعت تھا انویسٹی گیشن آفیسر کی حیثیت سے اشعر بھی عدالت میں پیش ہوا تھا۔

بچی تا حال ہاسپٹل میں تھی وہ اسے دیکھنے گیا تو اس پہ نظر پڑتے ہی وہ ہذیانی انداز میں چیخنے لگی تھی۔ اشعر کے دل پہ بوجھ سا آ پڑا۔ وہ شدت تاسف میں گھرا ہوا تھا۔ اس کی ماں نے جو ساتھ ہی تھی بتایا کہ ہر مرد کو دیکھتے ہی اس کی یہی حالت ہوتی ہے حتیٰ کہ اپنے باپ کو دیکھ کر بھی حواسوں میں نہیں رہتی۔

وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ اس بچی کا مستقبل کیا ہوگا شاید وہ تمام عمر مردوں سے نفرت میں گزار دیتی اب بہت مشکل تھا اعتبار کرنا۔

کم سن بچوں سے زیادتی سے متعلق کچھ لکھنے کا خیال غیر ارادی طور پہ اس کے ذہن میں آیا تھا۔ اس نے جوں جوں سوچا خیالات پہ عمل کرنے کا دل چاہنے لگا۔ اس سلسلے میں دس سال کا ریکارڈ بھی اس کے سامنے تھا۔ ساری فائلز کو غور سے دیکھنا اور ضروری پوائنٹس نوٹ کرنے کا مرحلہ باقی تھا۔

❀ ...... ❀ ...... ❀

جواہر کے کیس کی چار پیشیاں ہو چکی تھیں مگر کوئی خاص پیش رفت نہیں ہوئی تھی

کیونکہ جواہر نے اس معاملے میں زبان نہ کھولنے کی قسم کھائی ہوئی تھی۔ وہ وکیل کے ساتھ بھی خاص تعاون نہیں کر رہی تھیں۔ اشعر بہت پریشان سا سمانہ کے پاس آیا ادھر اُدھر کی رسمی باتوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے اس نے براہ راست ان دونوں کی ہونے والی ملاقات کی تفصیل جاننی چاہی تو سمانہ دامن بچانے لگی اسی میں عافیت تھی۔

"وہ مجھے لائبہ اور کاشف کا خیال رکھنے کو کہہ رہی تھیں۔" وہ میز کا کونا ناخنوں سے کھرچنے میں مگن نظر آنے کی پوری پوری کوشش کر رہی تھی۔

"سمانہ آپ بھی کچھ چھپا رہی ہیں۔" وہ آپ کا طرز تخاطب استعمال کرنے پہ اتر آیا تھا جو اس کی ناراضگی کا ثبوت تھا۔

"بھلا میں نے کیا چھپانا ہے جو بات ہوئی بتا دی۔" اس نے رخ موڑ لیا تھا۔ وہ ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

"پھر بھابھی نے کیوں قتل کیا جس طرح انہوں نے چھری سے پے در پے وار کیے ہیں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی بتاتی ہے کہ پوری طاقت صرف کی گئی ہے زخموں کی صورت بتاتی ہے کہ وہ شدید نفرت کا ردعمل ہیں میرے لیے حیرت کا باعث ہے کیونکہ بھابھی نے عدالت میں بیان دیا ہے کہ انہیں نہیں پتا اس وقت وہ کیا کر رہی ہیں۔" سمانہ سے دیکھ کر رہ گئی۔

"اگر مجھے ساری بات پتا ہو تو کیس کا رخ موڑا جا سکتا ہے۔ بھابھی کو بھی سزا سے بچایا جا سکتا ہے۔" ایک ملال نے سمانہ کو جکڑنا شروع کر دیا تھا وہ اسے کیسے بتاتی آپا سزا سے ہی تو بچنا نہیں چاہتی تھیں اس لیے تو انہوں نے زبان بند رکھی تھی۔ انہوں نے اسے بھی اپنے ساتھ ایک ایسے راز میں شریک کر لیا تھا جس کا بوجھ اٹھانا اس کے لیے ابھی سے ناقابل برداشت ہونا شروع ہو گیا تھا۔ بھلا وہ کیسے حفاظت کر سکے گی کیسے بوجھ سہار پائے گی۔ اشعر کے سامنے زیادہ دیر بیٹھنا اب اسے ممکن نہیں لگ رہا تھا اس لیے طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے وہ وہاں سے اٹھ آئی۔ وہ حیرت و تاسف سے دروازے کو دیکھنے لگا جہاں سے وہ گزر کر ابھی ابھی گئی تھی۔ عجیب گورکھ دھندا تھا اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کہاں سے ڈور سلجھانی شروع کرے۔

❁ ------- ❁ ------- ❁

"چھوٹی بی بی ذیشان صاحب آئے ہیں۔" کریم کی بیوی اسے بتا کر اب سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی کہ اب وہ اس کے جواب میں کیا کہتی ہے۔

"اچھا بٹھاؤ انہیں میں آتی ہوں۔" اس نے بستر سے اتر کر چپل پہنی شانوں پہ دوپٹا درست کیا اس دوران وہ سوچ رہی تھی کہ ذیشان کیوں آیا ہے؟ جابر کی موت کے بعد سب کے ساتھ وہ آتا رہتا تھا اس کے بعد وہ آج آیا تھا اس کا سوچنا فطری سا تھا۔

وہ ڈرائنگ روم میں آئی تو ذیشان صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے سلام کر کے رسماً سب کی خیریت پوچھی۔ چائے پینے کے دوران اس نے بتایا۔

"امی آپ کو یاد کر رہی ہیں کہہ رہی تھیں آپ کو ساتھ لے کر آؤں۔"

"آج تو میں نہیں آسکتی کاشف کے ایگزام ہو رہے ہیں۔" اس نے سہولت سے انکار کر دیا تو وہ مایوس سا ہو گیا کچھ دیر بیٹھنے کے بعد وہ چلا گیا۔

آمنہ چچی جانے کیوں اس پہ مہربان ہو رہی تھیں اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

آمنہ چچی نے صادقہ چچی سے سائرہ کے بارے میں بات کی تھی وہ اسے ذیشان کی دلہن بنانا چاہتی تھیں جانے کیوں آمنہ نے یہ بات کی تو انہیں افسوس سا ہوا کیونکہ عین یہی ارمان ان کے دل میں تھا وہ تو اسے خیالوں خیالوں میں کئی بار اشعر کے ہمراہ دیکھ چکی تھیں پر اب آمنہ نے پہلے بات کی تو انہیں پیچھے ہٹنا پڑا۔ آمنہ چچی صادقہ چچی کے ذریعے سائرہ کی مرضی جاننا چاہ رہی تھیں۔ جب انہوں نے یہ بات سائرہ سے پوچھی تو اس نے دوٹوک انکار کر دیا۔

آمنہ پھر بھی مایوس نہیں تھیں۔ انہیں یقین تھا کہ سائرہ ایک دن ضرور مانے گی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

جابر کا نام خطرناک قیدیوں کی فہرست میں درج تھا اس لیے اسے الگ تھلگ رکھا گیا تھا۔ صبح اس کے کیس کا فیصلہ ہونا تھا۔

اس تنگ و تاریک کمرے میں وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کسی غیر مرئی نقطے پہ نظریں مرکوز کیے ہوئے تھی۔ کمرے میں ہلکی ہلکی سی روشنی ہو رہی تھی جو بہرحال غنیمت تھی۔

کل اس کی زندگی کا تیسرا دور شروع ہونے والا تھا۔ پہلا دور جب وہ اپنے ماں باپ سائرہ اور اپنے کے ساتھ تھی۔ امنگوں بھرا دور تھا وہ، کاش سب کچھ ویسا ہی رہتا اگر سب کچھ ویسے ہی ہوتا تو آج زندگی کتنی مختلف ہوتی۔ سب کچھ جل کر خاکستر نہ ہوا ہوتا تو پھر اس کے جیون میں اس کی زندگی میں بھی آگ نہ لگتی۔

دوسرا دور جابر کے گھر شروع ہوا اس کی آنکھوں نے زندگی کے بہت سے تلخ رنگ

دیکھے۔ ان میں سے ہر رنگ جدا ہی تھا ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور کل صبح اسے زندگی کا تیسرا دور دیکھنا تھا۔

صبح ہونے میں کچھ گھنٹے باقی تھے۔ اس کی آنکھوں کے آگے اس کی گزشتہ زندگی کا ایک ایک ورق کھلا ہوا تھا۔ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد وہ لیٹی تھی۔ اس دوران اس کے چہرے پہ بڑی پرسکون سی مسکراہٹ تھی جیسے اس نے نجات کا راز دریافت کر لیا ہو۔ صبح اپنے جلوہ میں جانے کیا لے کر طلوع ہونے والی تھی۔ یہ تو اوپر والے کو ہی خبر تھی۔

وہ اپنے قدموں پہ چل کے جیل کی سلاخوں کے پیچھے گئی تھی مگر آج اسے ہاتھوں پہ اٹھا کے واپس لایا گیا تھا۔

پہرے پہ متعین سنتری بتا رہا تھا کہ جب صبح اس کی کوٹھڑی کا دروازہ کھولا گیا تو وہ مردہ پڑی تھی۔ ثمانہ کو اپنی آنکھوں اور سماعتوں پہ شبہ ہونے لگا تھا کیا واقعی یہ سامنے جواہر آپا کی ڈیڈ باڈی پڑی ہوئی ہے کیا واقعی یہ حقیقت ہے۔

کاشف اور لائبہ دونوں اس سے لپٹے رو رہے تھے۔ صادقہ چچی اور دیگر خواتین اس موقع کے لیے ضروری انتظامات میں لگی ہوئی تھیں کیونکہ ثمانہ تو جیسے مسلسل ایک شاک کی کیفیت میں تھی۔

جواہر آخر اپنے آخری ٹھکانے پہ پہنچا دی گئی۔ کاشف تو رو رو کر نڈھال تھا۔ ثمانہ نے اپنے کمزور ہوتے حوصلوں کو پھر سے جمع کیا۔ لائبہ اس کی گود میں روتے روتے سو گئی تھی۔ صادقہ اسے اٹھا کر اندر لٹا آئیں انہوں نے ثمانہ کو زبردستی نیند کی گولی دودھ کے ساتھ دی، تاکہ اس کا منتشر ذہن اور اعصاب سکون پا سکیں۔ وہ پوری دردمندی کے ساتھ ان تینوں کا خیال رکھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

آنے جانے والوں کا دھیان، ایک ایک چیز پہ نظر، گھر کا خیال، ثمانہ کو تسلی دلاسہ دینا ان کے ہر کام میں خلوص کی جھلک تھی۔ اس کڑے وقت میں اگر ان کا سہارا نہ ہوتا تو شاید ثمانہ بھی حوصلہ ہار جاتی۔ اب اسے آگے زیادہ بڑی مشکلات کا سامنا تھا۔ وصیت کی رو سے جواہر نے ساری جائیداد کا وارث کاشف، لائبہ اور ثمانہ کو قرار دیا تھا۔ کاشف اور لائبہ کے جوان ہونے تک وہی نگران تھی مگر ثمانہ آدھی جائیداد کی وارث اس صورت میں قرار پائی اگر وہ شادی کر لیتی بصورت دیگر وہ صرف نگران تھی اور اسے اس کام کا معاوضہ ہر مہینے ملنا تھا۔ انہوں نے

سمانہ کی شادی اور جائیداد پہ تصرف وملکیت کو شرط رکھا تھا۔ جواہر کے وکیل نے با آواز بلند جابر کے رشتہ داروں کی موجودگی میں وصیت پڑھ کر سنائی تھی۔ جواہر کی وصیت کے مطابق اگر ان تینوں میں سے کسی کو بھی خدانخواستہ کچھ ہو جاتا تو اس کا حصہ بھی دوسرے کو منتقل ہوتا مثلاً اگر سمانہ مرجاتی تو اس کے حصے کی جائیداد کاشف اور لائبہ میں تقسیم ہو جاتی اگر ان دونوں کے ساتھ ناگہانی ہو جاتی تو سمانہ تمام جائیداد کی وارث بن جاتی۔

آخر میں ایک بند لفافہ وکیل نے سمانہ کو دیا تھا۔ یہ تحریر جواہر نے جیل میں لکھی تھی اور وکیل صاحب کے ذریعے لاکر میں رکھوائی تھی اس کے اوپر موٹے حروف میں لکھا تھا "صرف سمانہ کے لیے۔"

وکیل صاحب جا چکے تھے۔ جابر کے اکثر رشتے داروں کے چہرے اترے اترے سے تھے۔ کچھ رشک وحسد سے سمانہ کو دیکھ رہے تھے جو بیٹھے بٹھائے مالک بن گئی تھی۔ آمنہ کے چہرے پہ غصے کی دبی دبی کیفیت تھی۔

"بچوں کے جوان ہونے تک جیسے چاہے خرچ کرے گل چھرے اڑائے کوئی پوچھنے والا نہیں جواہر نے بھی بڑی کم عقلی کا ثبوت دیا سمانہ جیسی بچی کے نام ساری جائیداد کر دی نگران بنا دیا، اگر نگران بنانا ہی تھا تو کسی سمجھ دار بندے کو بناتی۔ بھلا سمانہ جیسی نازک لڑکی کیسے ان بکھیڑوں کو سنبھالے گی۔" وہ ایک رشتہ دار خاتون کے آگے جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھیں جن کے خیالات کم وبیش ان سے ملتے جلتے تھے۔

جواہر کی وصیت پہ ہر کوئی اپنے اپنے انداز میں اظہار خیال کر رہا تھا۔ صادقہ اور ان کی ساری فیملی البتہ خاموش تھی۔ انہوں نے زبان سے ایک لفظ تک نہیں نکالا تھا۔ حالانکہ آمنہ نے پوری کوشش کی تھی افسوس میں انہیں بھی اپنے ساتھ شریک کرنے کی مگر وہ سمجھ داری سے کام لیتے ہوئے ادھر ادھر ہو گئی تھیں۔

❀ ...... ❀ ...... ❀

وقت گزر رہا تھا۔ معمولات زندگی پہلے کی طرح رواں دواں تھے۔

اشعر کی صلاح پہ سمانہ نے بزنس کے معاملات کو دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ اس سلسلے میں اسے آفس منیجر عظیم ملک کا تعاون بھی حاصل تھا۔ وہ ایمان دار اور مخلص آدمی تھے ورنہ ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو بڑے سے بڑا ہیر پھیر کر چکا ہوتا، مگر انہوں نے جابر کی موت کے بعد سے

لے کر آج تک ایک روپے کی بھی بے ایمانی نہیں کی تھی۔سمانہ پہ حال ہی میں یہ راز کھلا تھا کہ جابر کا کزن اور آمنہ چچی کا بیٹا ذیشان بھی جابر کی ذمہ داری سے یہاں کام کر رہا تھا۔وہ پروڈکشن ڈپارٹمنٹ میں تھا۔اگر سمانہ آفس نہ آنا شروع کرتی تو اسے پتا ہی نہ چلتا۔

منیجر صاحب کے مطابق ذیشان اپنا کام مکمل طور پہ انجام دیتا تھا۔اس کی ذات اور کام سے کسی کو خاص شکایت نہیں تھی۔

اسے آفس جوائن کیے چند ہی روز گزرے تھے۔وہ چند گھنٹوں کے لیے آتی اور پھر واپس چلی جاتی، درحقیقت اسے ان کاموں سے ذرہ بھر دلچسپی نہیں تھی۔جاہر آپا اسے کن مشکلات میں ڈال گئی تھیں۔جائیداد کے نگران جیسا بھاری پتھر اس کے ناتواں کندھوں پہ رکھ دیا تھا۔اس نے کبھی سوچا تک نہ تھا کہ وہ یکایک بیٹھے بٹھائے اتنی زیادہ دولت و جائیداد کی وارث قرار دے دی جائے گی۔ایک کم مایہ و حقیر حیثیت کی بجائے وہ اہم ہو جائے گی۔

وہ آرٹسٹک مزاج کی حامل تھی۔چھوٹی چھوٹی خوشیوں سے لطف اندوز ہونے والی مگر تکلیف دہ پہلو تو یہ تھا کہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں بھی اس کی زندگی میں نہیں آئی تھیں۔اس کے خواب ادھورے رہ گئے تھے۔وہ فائن آرٹس کی اسٹوڈنٹ تھی۔اس فیلڈ میں نام کمانا چاہتی تھی۔نہ چاہتے ہوئے بھی خاردار رستوں پہ چلنا پڑ رہا تھا۔جاہر آپا نے شادی کی شرط لگا دی تھی اسے شادی کے نام سے ہی نفرت تھی لفظ شادی سنتے ہی اس کی نس نس میں آگ بھڑکنے لگتی اور آپا نے شادی اور سمانہ کو لازم و ملزوم قرار دے دیا تھا۔قسمت بھی کیسے کیسے سنگین مذاق کرنے پہ تلی ہوئی تھی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

ہاشم کے لیے یہ بات بڑی تکلیف دہ تھی۔امی نے کہا تھا تم سمانہ کو ذیشان کے رشتے کے لیے راضی کرو اور یہ کام ہر صورت کرنا ہے۔وہ اپنا بوجھ اتار کر چلی گئی تھیں۔ذیشان نے تو جیسے آفت مچائی ہوئی تھی،سمانہ سے شادی نہ ہونے کی صورت میں خودکشی کی دھمکی دی تھی اور ادھر سمانہ بھی عاجز آئی ہوئی تھی۔ذیشان اسے پسند کرتا تھا۔وہ اس بات سے انجان تو نہیں تھی۔اب اس نے شادی کا شوشا چھوڑا تھا۔آمنہ چچی اور وہ دونوں اس کے پیچھے ہی پڑ گئے تھے۔اس نے ایک بار پھر صاف انکار کر دیا تھا اب صادقہ اس کے روبرو بیٹھی اس سے انکار کی وجہ دریافت کر رہی تھیں۔

''آخر ذیشان میں کیا خرابی ہے، خوب صورت ہے ٹھیک ٹھاک کماتا ہے پھر دیکھا بھالا ہے۔''

''بس مجھے نہیں پسند۔'' وہ پہلی بار ہٹ دھرمی سے بولی۔

''سمانہ تمہیں پتا ہے کہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ وصیت وکیل صاحب نے تمہارے سامنے ہی تو پڑھ کر سنائی تھی اگر تم نے شادی نہیں کی آدھی جائیداد کے ساتھ ساتھ کاشف اور لائبہ کی نگرانی سے بھی تمہیں محروم ہونا پڑے گا۔ یہ بات تمہارے لیے نئی ہوگی شاید ایسی صورت میں جواہر بھابی نے اشعر کو نگران قرار ٹھہرایا ہے۔'' صادقہ چچی نے ایک نئی اطلاع بم کی صورت میں اس کے سر پہ دے ماری تھی۔

''ایسا نہیں ہوسکتا۔''

''ایسا ہی ہے سمانہ حقیقت کو تسلیم کرنا سیکھو، ورنہ پچھتاؤ گی اچھی طرح سوچ کر جواب دینا۔'' وہ چلی گئیں۔ وہ سر ہاتھوں میں گرائے بیٹھی تھی۔

''کچھ بھی ہو میں ذیشان سے شادی نہیں کروں گی۔'' اس کا ارادہ اٹل تھا۔

کاشف اور لائبہ کے اسکول سے فون آیا تھا۔ پرنسپل کے لہجے میں غیر معمولی پریشانی تھی۔ وہ اسی وقت گاڑی ڈرائیو کرتی اسکول جا پہنچی۔

''پلیز تشریف رکھیے۔'' پرنسپل نے سنجیدہ آواز میں سامنے پڑی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ پرنسپل تذبذب کا شکار نظر آرہے تھے جیسے فیصلہ نہ کر پا رہے ہوں، پھر انہوں نے لفظ چن ہی لیے۔

''آپ کی کسی سے دشمنی تو نہیں ہے۔'' وہ اسے تولتی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

''جی نہیں۔'' وہ الجھ سی گئی۔

''ہمارے چوکیدار نے بتایا ہے کہ ایک مشکوک گاڑی کاشف اور لائبہ کی وین کا پیچھا کرتی ہے کل چھٹی کے وقت سڑک کے پار ایک آدمی کھڑا دیکھا گیا اور آج کچھ گھنٹے پہلے اسی گاڑی سے کاشف اور لائبہ کی وین پہ گولیاں چلائی گئیں خوش قسمتی سے دونوں بچے محفوظ ہیں۔''

پوری بات سنے بغیر وہ اضطراری حالت میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کہاں ہیں وہ دونوں ٹھیک تو ہیں نا انہیں کوئی نقصان تو نہیں پہنچا۔''

''وہ بالکل ٹھیک ہیں تھوڑے خوفزدہ تھے۔ کیسز ٹیچر کے ساتھ ہیں اس نے دونوں کو

کافی حد تک بہلانے کی کوشش کی ہے میں نے آپ کو اس لیے بلوایا ہے کہ بتا سکوں آئندہ سے دونوں بچوں کی حفاظت کی ذمہ داری آپ کی ہے اسکول کے اندر ہم ذمہ دار ہیں مگر اسکول سے باہر کا ہم ذمہ نہیں لے سکتے اللہ نہ کرے کل اگر کچھ ہوتو ہمارا اسکول اسکینڈ لائزڈ ہو جائے گا جو کہ ہم افورڈ نہیں کر سکتے۔ آپ کو اس معاملے پہ سنجیدگی سے غور کرنا پڑے گا اب آپ بچوں کو لے جائیں اور کوشش کریں کہ وہ خوف کا شکار نہ ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر وہیں بیٹھے بیٹھے اس نے اشعر کے سیل فون پہ کال کی۔ اس نے تفصیلات بتائے بغیر اسے اسکول پہنچنے کی درخواست کی۔ وہ ایک میٹنگ میں تھا۔ کسی طرح بھی آدھ پون گھنٹے سے پہلے نہیں آ سکتا تھا۔ پرنسپل اس کے خوف کی وجہ جان گئے تھے انہوں نے کمال مہربانی کرتے ہوئے اپنے اسٹاف میں سے ایک قابل اعتماد بندے کو اس کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ انہیں گھر پہنچا آئے۔

اب ایک نیا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ کاشف اور لائبہ پہلے ہی پے در پے رونما ہونے والے صدمات کی وجہ سے پریشان تھے یہ اور آفت تھی جس کا انہیں سامنا کرنا پڑا تھا۔ رات اس نے ان دونوں کو جلدی سلا دیا۔ وہ خود بھی سونے کی تیاری کر رہی تھی جب اس کا سیل فون گنگنایا۔ اس نے سی ایل آئی پہ دیکھا اجنبی اور مقامی نمبر تھا۔

"ہیلو!" وہ اپنی مخصوص نرم آواز میں بولی۔

"مس سائرہ کیا حال چال ہیں۔"

"آپ کون۔" وہ اجنبی کھردرے مردانہ لہجے کو پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔

"آپ مجھے نہیں جانتیں مگر میں آپ کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔"

"میں بھی نہیں۔"

"حالانکہ سمجھانے کی بڑی کوشش کی گئی ہے آج صرف وارننگ دی ہے مگر کل سے عمل شروع ہوگا۔" کہنے کے ساتھ ہی فون بند کر دیا گیا۔ اس نے نمبر چیک کیا کالنگ کارڈ نمبر تھا۔ پتا نہیں کون تھا مگر یقینی بات تھی کاشف اور لائبہ کی وین پہ حملہ اور اسے فون کرنے کے پیچھے مشترکہ مقصد کارفرما تھا۔ اس نے بہت سوچا مگر سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ شک کرتی بھی تو کس پہ۔ اس نے بالآخر ایک فیصلہ کر لیا۔

صادقہ چچی دوسرے دن حمیرا کو ساتھ لے آگئیں ان کے پیچھے آمنہ تھیں۔ کاشف

اور لائبہ کی ذہین پر حملے کا سب کو پتا چل ہی گیا تھا۔

اشعر بعد میں آیا۔ اس نے کاشف اور لائبہ سے کرید کرید کر سوال کیے۔ ان سے کوئی بھی بات معلوم نہ ہو سکی۔ جابر کی موت کے بعد سے لے کر آج تک کوئی دن بھی ایسا نہیں تھا جو ساشہ نے سکون سے گزارا ہو۔ پہلے تو صرف اسے ایک ہی خوف تھا مگر اب چاروں طرف خوف دہراس کے سائے تھے۔ دو دن تک اس نے کاشف اور لائبہ کو اسکول نہیں بھیجا۔ پر ایسا کتنے دن چل سکتا تھا۔ بچے پہلے ہی اپ سیٹ تھے اس نئی صورت حال سے ان کے ننھے ذہنوں میں سنگین سوالات جنم لے سکتے تھے۔ ابھی یہ پریشانی ختم نہیں ہوئی تھی کہ ایک اور واقعہ رونما ہوا جس نے ساشہ کا رہا سہا سکون بھی برباد کر دیا۔ رات گئے جابر منزل پہ گولیاں برسائی گئیں جب تک پولیس آئی حملہ آور بھاگ چکے تھے۔ اب تو ساشہ کو اپنے سائے سے بھی خوف آنے لگا۔

صادقہ بیگم کو اس نے روکا ہوا تھا۔

''آپ مت جائیں مجھے ڈر لگتا ہے۔'' ان کے ہاتھوں پکڑے وہ بالکل ننھی سی بچی لگ رہی تھی۔ انہیں ساشہ پہ بے اختیار پیار آ گیا۔

''میری مانو تو شادی کر لو کبھی نہ کبھی تو تمہیں شادی کرنی ہے تمہارے مسائل کا یہی حل ہے، کسی کے نام سے بندھ جاؤ گی تو کسی کو جرأت نہیں ہو گی کہ تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے۔ دشمن بھی تو ساتھ ہی ہوتے ہیں۔'' انہوں نے بڑی گہری بات کی تھی۔

''میں ذیشان کے ساتھ شادی نہیں کروں گی۔ مجھے شک ہے کہ اس سارے واقعات کے پیچھے اسی کا ہاتھ ہے ورنہ میری یا بچوں کی کسی سے کیا دشمنی ہے۔'' صادقہ اسے دیکھ کر رہ گئیں۔ ساشہ دور کی کوڑی لائی تھی۔

''ساشہ اس کے پیچھے جس کا بھی ہاتھ ہے وہ خطرناک مضبوط اور ذہین بھی ہے اس کی ذہانت کا ثبوت یہ ہے کہ اس نے کمال صفائی سے خود کو پوشیدہ رکھا ہوا ہے جو گھر پہ گولیاں برسا سکتا ہے اس سے بھلائی کی توقع رکھنا عبث ہے۔ تمہارے اور بچوں کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے تمہارا تنہا رہنا نامناسب ہے کریم یا اس کی بیوی کیا کر سکتے ہیں۔

اس معاشرے میں اکیلا رہنا وہ بھی ایک لڑکی کا نری حماقت ہے۔ تم ضد چھوڑ دو ذیشان سے شادی نہیں کرنی تو نہ کرو اور بھی اچھے رشتے ہیں۔ اشعر کا ایک دوست ہے اس کی مما نے تمہیں گزشتہ سال حمیرا کی منگنی کے موقع پہ دیکھا تھا تو تمہارے بارے میں بڑے اشتیاق

سے پوچھا تھا بلکہ جب بھی فون آتا ہے پوچھتی ہیں۔ وہ امریکہ میں ہوتی ہیں، مسز انجم نام ہے انجم خود سرجن ہیں۔ امریکہ میں ہاسپٹل ہیں۔ بیٹا البتہ بھی ہے۔ بڑے اچھے لوگ ہیں۔ ایسی فیملی اور گھرانے قسمت والوں کو ملتے ہیں۔ اشعر کا دوست ہے لڑکا مضبوط کردار کا ہے۔ خاندانی لوگ ہیں۔" وہ غائب دماغی کے عالم میں سن رہی تھی۔

"کاشف اور علائیہ کی فکر مت کیا کرو وہ صرف تمہاری ذمہ داری نہیں ہیں، ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔" انہوں نے اسے ساتھ لگا کر تسلی دی تو وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

"تم اگر ہاں کرو تو میں مسز انجم سے بات کروں۔" وہ اس کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

"میں ایک دو روز تک سوچ کر جواب دوں گی۔" صاف لگ رہا تھا وہ انہیں بہلانے کی کوشش کر رہی ہے۔

بات ختم کر کے اس نے صادقہ کو نہیں جانے دیا۔ اشعر اس سارے معاملے کی خاموشی سے اپنے طور پہ تفتیش کر رہا تھا۔

میرے درد کو جو زباں ملے
میرا درد نغمہ بے صدا
میری ذات ذرہ بے نشاں
میرے درد کو جو زباں ملے
مجھے اپنا نام و نشاں ملے
مجھے راز نظم جہاں ملے
جو مجھے یہ راز نہاں ملے
میری خامشی کو بیاں ملے

ابیہا کی آواز کہیں قریب سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ جھوم جھوم کے پڑھ رہی تھی

میرے درد کو جو زباں ملے
مجھے اپنا نام و نشاں ملے

وہ بند دروازے کے پیچھے سے اس کی سریلی آواز سن رہی تھی۔

مجھے راز نظم جہاں ملے
جو مجھے یہ راز نہاں ملے

آشنا قدموں کی آواز اینہ کی طرف بڑھتی آرہی تھی۔

جو مجھے راز نظم جہاں ملے

میری خامشی کو بیاں ملے

اب آنے والے کے نقوش واضح ہو چکے تھے۔ مم میری...... مری ری ری
اینہ کے گلے سے برآمد ہوتے لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکل رہے تھے۔ کچھ ہی دیر میں
خرخراہٹ رہ گئی تھی۔ پھر اذیت میں ڈوبا خاموشی کا وقفہ جانی پہچانی سسکیاں۔ سفید چادر
ہو گئی تھی۔ اس کے نازک جسم نے جھٹکا کھایا اور آنکھ کھل گئی۔ یہ خواب دیکھنے کے بعد
بھی اس کی آنکھ کھلتی وہ یہی دعا کرتی کاش اس کی آنکھ اب کبھی نہ کھلتی۔ ہوش میں آنے
کے بعد اذیت حد سے سوا ہو جاتی تھی۔ پاس ہی ایک سائیڈ پہ کاشف اور لائبہ بھی سوئے ہوئے
تھے۔ اس نے پانی پی کر آیت الکرسی پڑھی اور روٹھی نیند کو بلانے کی کوشش کرنے لگی۔

آٹھ سال پہلے زندگی کتنی مہربان اور خوش گوار تھی۔ جواہر آپا کی شادی ہو چکی تھی۔
اینہ اور وہ دونوں اسکول میں زیر تعلیم تھیں۔ جابر بھائی شادی کے بعد اس سے گھر میں شفٹ
ہو گئے تھے۔ انکل زمان صدیقی ان دونوں سے بہت پیار کرتے تھے۔ وہ بہت پڑھا کو تھی اس
کے برعکس اینہ غیر نصابی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھی۔ اس کی آواز سریلی تھی وہ
جھوم جھوم کر اسمبلی میں نعتیں اور ترانے پڑھتی۔ سائرہ اس سے بہت قریب تھی کیونکہ وہ اسے
کہانیاں سناتی تھی۔ جواہر کی طبیعت آج کل خراب تھی۔ اسے تو خاص کچھ نہیں آئی تھی مگر اینہ
نے بتایا تھا جوہر آپا کے ہاں بے بی آئے گا۔ جواہر آپا کے ہاں بے بی کے تصور نے اسے بھی
کر دیا تھا۔

وہ دونوں ساتھ اسکول جاتیں واپسی پہ ہوم ورک بھی ساتھ ساتھ کرتیں۔ شام میں
گھر سے قریب پبلک پارک میں کھیلنے ضرور جاتیں۔ اس کی طرح اینہ بھی کھیل کود کی دیوانی
تھی۔ اسے جھولا جھولنے کا بہت شوق تھا جب وہ جھولے پہ بیٹھتی تو اس کا جھولا تیز اور اونچا ہوتا
اور سائرہ تو بیٹھتے ہی چیخیں مارنے لگتی۔ شرارت میں آکر اینہ اس کا جھولا اور بھی تیز کر دیتی۔
وہ اس سے کٹی کر لیتی۔ اینہ اسے منا لیتی۔ وہ ایسی ہی صلح جو اور نرم طبیعت کی مالک تھی۔
اس کے لمبے ریشم جیسے کالے بال بہت اچھے لگتے تھے۔ اس کی شہابی رنگت مناسب قد و
تیکھے نقوش کچھ بھی تو نظر انداز کرنے کے قابل نہیں تھا۔ بڑھتی عمر کی ساری رعنائیاں اس

کا وجود چھپانے میں ناکام ثابت ہو رہا تھا۔
جابر بھائی اسے بہت پیار کرتے تھے ہر روز اس کے لیے کوئی نہ کوئی کھلونا اور چیز لاتے۔ اینڈ بھی دوڑ دوڑ کر ان کے کام کرتی۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

مسز انجم پاکستان آئی ہوئی تھیں۔ وہ سال میں ایک بار بیٹے کے پاس پاکستان ضرور آتی تھیں۔ اس کی یہیں رہائش تھی وہ اپنے کام میں مصروف تھا۔ اشہر کا تو وہ گہرا دوست تھا۔
آج دونوں ماں بیٹا صادقہ کے ہاں دعوت میں انوائیٹڈ تھے۔ کھانے کے بعد اشہر اور انجم کا بیٹا اکٹھے بیٹھ گئے۔ صادقہ اور مسز انجم اپنی باتوں میں مصروف ہو گئیں۔ صادقہ انہیں سمانہ کے بارے میں بتا رہی تھیں۔

"اس کے ساتھ جو ہوا مجھے افسوس ہے اچھی بچی ہے وہ۔"
"آج کل بہت پریشان ہے وہ پہلے شادی کے لیے مانتی ہی نہیں تھی اب مان گئی ہے۔"
"کیا کہیں رشتہ طے ہو گیا ہے اس کا۔"
"یہ تو اچھی بات ہے اگر میں سیف کے لیے بات کروں تو کیسا رہے گا۔"
"مسز انجم میں دل و جان سے راضی ہوں آج ہی اشہر کے ابو سے بات کرتی ہوں۔"
"ٹھیک ہے میں بھی انجم کو بتاتی ہوں۔" وہ خوشی سے نہال ہو گئیں۔
آدھے گھنٹے بعد سیف اور مسز انجم چلے گئے۔ انہیں رخصت کرنے کے بعد صادق نے شوہر سے بات کی۔ اشہر جو پاس بیٹھا تھا چونک گیا۔
"مسز انجم نے کہا ہے کہ وہ جلدی بات کریں گی، میری دلی آرزو ہے کہ سمانہ جلد اپنے گھر کی ہو جائے۔ ارے یہ لو ابھی تک میں نے اشہر کو بتایا ہی نہیں ہے۔" وہ سر پہ ہاتھ مارتے ہوئے بولیں تو وہ ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔
"سمانہ شادی کے لیے مان گئی ہے۔"
"کیا سمانہ شادی کے لیے مان گئی ہے ذیشان کے ساتھ، بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"
آخری جملہ سرگوشی میں اس کے لبوں سے نکلا تھا۔
"ذیشان کے ساتھ تو اس نے شادی سے صاف انکار کر دیا ہے تمہارے بابا نے اس لیے بات نہیں کی کہ تم نے بھی پسندیدگی کا اظہار نہیں کیا مسز انجم کی آرزو تھی ۔۔۔

سمانہ کو اپنی بہو بنائیں پہلے وہ مان ہی نہیں رہی تھی اس لیے میں خاموش تھی۔ پر اللہ کا شکر ہے سمانہ مان گئی ہے میں نے مسز انجم سے بات کی ہے وہ بڑی خوش ہیں۔"

وہ اس کی حالت سے بے خبر بتا رہی تھیں۔ اس کے ذہن پہ جیسے کوڑے برس رہے تھے۔ وہ ہوں ہاں میں سر ہلا رہا تھا۔ سمانہ مان گئی اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ تو کیا اس نے دیر کر دی۔ وہ سوچ رہا تھا۔

امی اور ابو مسلسل اسی موضوع پہ بات کر رہے تھے۔ وہ غائب دماغی کے عالم میں ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ سب اس کی کیفیت سے بے خبر تھے۔

جب ذیشان کے رشتے کی بات ہوئی تھی اسے یقین تھا کہ سمانہ نہیں مانے گی حالانکہ اس سلسلے میں اس نے خود سمانہ کو کنونس کیا تھا پر اس نے صاف گی لیٹی رکھے بغیر انکار کر دیا تھا۔ سمانہ کے انکار کی وجہ صرف اسے ہی معلوم تھی۔

اب جو کچھ ہوا تھا اسے دیر سے پتا چلا تھا۔

سیف سے اس کی دوستی آٹھ نو سال پرانی تھی۔ وہ سلجھا ہوا مضبوط کردار کا لڑکا تھا۔ اپنی پرائیویٹ سیکورٹی ایجنسی چلا رہا تھا۔ اشعر نے اس سے کئی بار مدد لی تھی پیشہ ورانہ کیس میں۔ سیف نے امریکہ سے کرمنالوجی میں ڈگری لینے کے بعد اپنی ذاتی دلچسپی کی وجہ سے سیکورٹی ایجنسی قائم کی تھی۔ اس کی مضبوط ساکھ تھی۔ پرسنلی اشعر اسے بہت پسند کرتا تھا۔ کاشف اور لائبہ کی گاڑی پہ جب گولیاں چلائی گئیں تو اس نے سمانہ سے سیف اور اس کی سیکورٹی ایجنسی کا ذکر کیا تھا۔ جس پہ اس نے زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔ بہر حال سیف ایک بار جب ان کے گھر آیا تو اس نے سمانہ اور کاشف اور لائبہ کے بارے میں اسے تفصیل بتائی تھیں۔ یہ زیادہ پرانی بات نہیں تھی بمشکل دس گیارہ روز ہوئے تھے۔ اس کا شانہ ہلایا تو وہ اپنے خیالوں کی وادی سے واپس آ گیا۔ وہ اس کی رائے مانگ رہی تھیں۔

"امی جو آپ مناسب سمجھیں۔" اس نے بمشکل تمام اپنی جان چھڑائی۔ وہ سمانہ والے معاملے میں الجھی ہوئی تھیں ورنہ ضرور اس کی بیزاری بھانپ لیتیں۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

ممااس کے بیڈ روم میں آ گئیں۔ وہ جو سونے کے ارادے سے ابھی ابھی بستر پہ دراز ہوا تھا انہیں دیکھ کر اٹھ گیا۔

''آیئے مما'' اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا اور خود بھی ان کے پاس بیٹھ گیا۔

''سونے کی تیاری ہے۔''

''جی مما۔''

''پھر تو میں نے تمہیں ڈسٹرب کیا۔''

''ارے نہیں کیسی بات کر رہی ہیں آپ۔ یہ ہمارے رشتے میں تکلفات کہاں سے آگئے۔''

''مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔''

''جی مما کہیے'' وہ سعادت مندی سے بولا تو وہ نہال ہو گئیں۔

''میں نے اشعر کی مما سے تمہارے بارے میں بات کی ہے۔''

''میرے بارے میں بات، میں سمجھا نہیں مما۔''

''بیٹا میں نے اس لڑکی کے لیے تمہارا پرپوزل دیا ہے۔''

''وہ آئی سی۔'' وہ انہیں دیکھ کر رہ گیا...'' میں نے پچھلے سال حمیرا کی منگنی کے فنکشن پہ سمانہ کو دیکھا تھا۔ مجھے تو وہ پہلی نظر میں ہی تمہارے لیے بھا گئی تھی۔'' وہ مزے سے بتا رہی تھیں۔

''میں نے تمہارے پپا سے بھی بات کر لی ہے۔ انہوں نے تم سے پوچھنے کو کہا ہے تم جواب دو گے تو وہ پاکستان آئیں گے اور ہم باقاعدہ طور پر رشتہ لے کر جائیں گے۔ میں جلدی شادی کرنا چاہتی ہوں تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔'' ساتھ ساتھ وہ اس کے تاثرات بھی نوٹ کر رہی تھیں۔ جو مہارت سے سیف نے پوشیدہ رکھے ہوئے تھے۔

''ٹھیک ہے مما! ویسے لڑکی دیکھنے کی اجازت ہے مجھے۔'' آخر میں وہ شرارت سے بولا تو نائلہ بھی ہنس پڑیں۔

''کیوں نہیں ویسے ابھی سے اتنی بے قراری ہونے لگی ہے۔'' انہوں نے اسے چھیڑا تو وہ جھینپ گیا۔ وہ فوراً ہی سنجیدہ ہو گئیں۔

''ویسے لڑکی بہت اچھی ہے، تمہیں ضرور پسند آئے گی۔''

''مما اس کا فیصلہ تو دیکھنے کے بعد کروں گی۔'' وہ قصداً انہیں تنگ کر رہا تھا۔ وہ بھی اس کی شرارت جان گئیں۔ تھوڑی دیر تک اسی موضوع پہ بات ہوتی رہی۔

"سیف اب سو جاؤ رات بہت ہو گئی ہے۔" انھوں نے دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔ سیف نے ان کے باہر نکلنے کے بعد دروازہ لاک کیا اور اپنے بستر پہ آ گیا۔ آج اس کے پاس سوچنے کے لیے بہت کچھ تھا۔ سو نیند اڑی ہوئی تھی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁
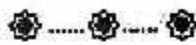
"تم یہاں؟ میں نے تم سے کیا کہا تھا میرے سامنے مت آیا کرو۔" مارے غضب کے وہ آپ سے تم پہ آ گئی تھی۔ ساتھ اس نے ذیشان کو جانے کا اشارہ کیا۔

"پلیز سائرہ! میری بات سن لیں صرف ایک بار۔"

"میں نے تمہاری کوئی بات نہیں سننی۔" اس کے تیور قطعی جارحانہ تھے۔

"میں اتنا برا نہیں ہوں، جتنا آپ سمجھ رہی ہیں۔"

"ہاں مجھے پتا ہے میں جتنا سمجھتی ہوں تم اس سے زیادہ برے ہو یہ مجھ سے بہتر کون جان سکتا ہے۔ یہ آفس ہے گھر نہیں ہے جو تم منہ اٹھائے چلے آتے ہو میں مالک ہوں، یہ بات یاد رکھا کرو اب تم جا سکتے ہو۔" وہ سر جھکائے سامنے پڑی فائل کو غور سے دیکھتی لاتعلق نظر آنے کی پوری پوری کوشش کر رہی تھی۔

ذیشان لٹے پٹے قدموں سے واپس اپنی سیٹ پہ آ گیا۔ سائرہ اسے بہت اچھی لگتی تھی۔ اس نے امی سے اپنے دلی ارادے کا اظہار بھی کیا تھا۔ شکر کا مقام تھا وہ مان گئی تھیں۔ ورنہ اس کا خیال تھا وہ ضرور اعتراض کریں گی اور نہیں تو سائرہ کی بڑی بہن کی وجہ سے ہی اعتراض کریں گی اس وقت اس کی حیرت کی انتہا نہیں رہی، جب وہ پہلی بار ہی رضا مند ہو گئی تھیں۔ مگر سائرہ نے صاف انکار کر دیا تھا۔ ذیشان نے بار بار درخواست کی تھی یہاں تک کہ خودکشی کی دھمکی بھی دے ڈالی تھی جو بالکل کارگر نہیں ہوئی تھی اب اسے آگ لگی ہوئی تھی کیونکہ امی نے بتایا تھا سائرہ کے لیے اشعر کے دوست سیف کا رشتہ آیا ہوا ہے اور سائرہ نے ہاں کر دی ہے۔ وہ آخری بار کوشش کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے ڈھیٹ بن کر پھر اس کے پاس آیا تھا اور حسب توقع بے عزت ہو کر آیا تھا۔ وہ ہٹ دھرم لڑکی اس کی کوئی بات نہیں سن رہی تھی یہی بات اسے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر رہی تھی۔ وہ آفس ٹائمنگ سے پہلے ہی اٹھ آیا اور گاڑی میں بیٹھ کر سڑکیں ناپنے کا شوق پورا کرنے لگا۔

ڈاکٹر انجم آج سائرہ کو دیکھنے آ رہے تھے۔ صادقہ چچی، حمیرا، آمنہ چچی، شیخ اور خاندان

کی چند اور عورتیں سیاد کے پاس اس کے کمرے میں تھیں۔ کاشف اور لائبہ بڑے خوش تھے۔ حمیرا نے انہیں بتایا تھا تمہاری خالہ کی شادی ہو گی ڈھولک بجے گی، ڈھیر سارے لوگ آئیں گے خالہ جانی دلہن بنیں گی اور دولہا کے ساتھ چلی جائیں گی۔ کاشف کو خالہ کے ہونے والے دولہا کو دیکھنے کا بڑا شوق تھا۔ وہ گیٹ سے اچک اچک کر ہر گزرنے والی گاڑی کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

سیف اپنے گھر والوں کے ساتھ آیا تو تب اسے سکون ہوا۔

"انکل کیا آپ ریسلنگ بھی کرتے ہیں۔" کاشف کے سوال اس کی طرح معصومانہ سے تھے۔ سب ہنس پڑے۔

"سب سے پہلے آپ مجھے اپنا نام بتاؤ۔" اس نے پھولے پھولے رخساروں والے کاشف کو پاس بٹھا لیا۔

"میرا نام کاشف ہے اور یہ میری چھوٹی بہن لائبہ ہے آپ کا کیا نام ہے۔" وہ اس کی طرف بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔

"میرا نام سیف ہے۔"

"آپ کرتے کیا ہیں۔" اگلا سوال آیا۔

"میں جاب کرتا ہوں۔"

"آپ فیوچر میں کیا کریں گے۔" وہ کاشف کو دیکھ کر رہ گیا۔

"آپ کیا کرو گے پہلے یہ بتاؤ۔"

"میں پولیس مین بنوں گا، اشعر انکل کی طرح اور چوروں کو ماروں گا گن لوں گا ڈز، ڈز ایسے گن چلاؤں گا۔" اس نے ہاتھ اور منہ سے عملی مظاہرہ کر کے دکھایا تو سیف کو ہنسی آ گئی۔

حمنہ اندر تھی۔ سب کے سامنے جا کر دیکھنے دکھانے کا رسمی مظاہرہ کرتے سے اسے بے حد الجھن ہو رہی تھی۔ صادقہ چچی نے اسے اچھی طرح تیار ہونے کو کہا تھا۔ اشعر ابھی ابھی پہنچا تھا۔ کاشف، سیف اور اس کے درمیان بیٹھا پٹر پٹر باتیں کیے جا رہا تھا۔

"انکل آپ تو چوروں کو مار دیں گے پھر کوئی ہماری وین پہ گولی نہیں چلائے گا، کیونکہ آپ سپر مین کی طرح ہیں آپ کے مسلز تو بالکل ریسلرز جیسے ہیں۔" وہ اشعر کی طرف مڑا پھر کچھ سوچ کر خاموش ہو گیا۔

چائے لے کر سائرہ، صادقہ چچی کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آئی۔

”السلام علیکم۔“ اس نے کسی کی طرف بھی دیکھے بغیر سلام کیا۔

”انکل سیف۔ یہ میری خالہ جانی ہیں۔“ کاشف اس کے بازو سے جڑا بیٹھا تھا۔ وہ انجم صدیقی سے مل رہی تھی۔ انہوں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ انہوں نے بڑی شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا حال احوال پوچھا۔

”سیف انکل خالہ پیاری ہیں نا۔“ اس نے تائید چاہی تو سیف نے دھیمی مسکراہٹ سمیت اثبات میں سر ہلایا۔ وہ وہیں صوفے پہ بیٹھ گئی۔ ملازمہ چائے سرو کرنے لگی۔ حمیرا جو سائرہ کے ساتھ تھی سرگوشی میں اس سے بولی۔

”سامنے سیف بھائی ہیں دیکھ لو۔“ نہ جانے کیوں اس کے دل میں کوئی ہلچل نہیں مچی، نہ گال سرخ ہوئے نہ ہاتھ پاؤں لرزے۔ ذرا کی ذرا اس نے پلکوں کی چلمن اٹھا کر دیکھا۔ سیف، کاشف کی طرف متوجہ تھا۔ نیلی جینز اور نیلی لائنوں والی ٹی شرٹ میں اس کا ورزشی جسم اور بازوؤں کے مسلز بڑے نمایاں تھے۔ جاذب نظر چہرے پہ گہری براؤن آنکھیں بچی تھیں۔ وہ اتنا ہی جائزہ لے پائی تھی۔ سیف نے کاشف سے بات کرتے کرتے سامنے براہ راست اس کی طرف دیکھا تو وہ قدرے شرمندہ ہو گئی اور پھر سنبھل کر حمیرا سے باتیں کرنے لگی۔ ایک دھیمی سی مسکراہٹ نے سیف کے لبوں کا احاطہ کیا اور پھر معدوم ہو گئی۔ سیف کے پورے گھر کو سائرہ اچھی لگی تھی ان کا جواب حوصلہ افزا تھا۔ خود سیف کو پہلی نگاہ میں وہ پسند آ گئی تھی۔

اس کی گہری شربتی کھوئی کھوئی سی آنکھیں دیکھنے والے کا سکون و قرار لوٹ لیتی تھیں۔ سائرہ کو دیکھنے کے بعد فیض احمد فیض کا شعر اسے شدت سے یاد آیا تھا۔

تجھ پہ اٹھی ہیں وہ کھوئی ہوئی ساحر آنکھیں
تجھ کو معلوم ہے کیوں عمر گنوادی ہم نے

جب وہ واپس آ رہا تھا تو کاشف نے دوبارہ جلدی آنے کا وعدہ لیا۔

ڈاکٹر انجم ایک ماہ کے لیے پاکستان آئے تھے۔ ان کا ارادہ تھا وہ سیف کی شادی کا فرض ادا کر کے واپس جائیں۔ سائرہ انہیں پسند تھی۔ منگنی کا جوڑا اور انگوٹھی لے کر وہ سائرہ کے گھر آئے اور چند لوگوں کی موجودگی میں منگنی کر دی۔ اب شادی کا اصل مرحلہ باقی تھا۔

نکاح سے دو روز پہلے زیور بھی بن گیا شادی کا جوڑا اگلے روز آیا۔ سب انتظامات مکمل تھے۔ ڈاکٹر انجم نے واپسی کی سیٹ بک کروائی تھی۔

سیف بڑا مسرور تھا۔ سب دوستوں اور ملنے جلنے والوں کو وہ مدعو کر چکا تھا۔ ابھی ابھی اشعر کی طرف سے واپس آیا تھا۔ وہ کپڑے بدل رہا تھا۔ ابھی اس نے شرٹ اتاری ہی تھی کہ اس کا سیل فون گنگنانے لگا۔ ساحہ دوسری طرف لائن پہ تھی۔ اس نے سلام کیا تو دوسری طرف سے کال کاٹ دی گئی اس نے خود فون کیا تو وہ فون آف کر چکی تھی۔ وہ الجھ سا گیا۔

دوسری طرف ساحہ بہت پریشان اور مضطرب سی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ذیشان آدھا گھنٹہ پہلے یہاں سے گیا تھا۔

گھر میں اشعر کی رشتہ دار عورتیں اور لڑکیاں مل کر شادی کی تیاری میں لگی ہوئی تھیں۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا ہوا اپنا کمرا بند کر لیا۔ وہ سیف کو کال کر رہی تھی جو نہی سیف نے کال ریسیو کی ساحہ کا فون بند ہو گیا نہ جانے کیا خرابی ہو گئی تھی۔ اس نے جھنجھلا کر فون بیڈ کی طرف اچھال دیا۔

حمیرا دروازے پر دستک دے رہی تھی اس نے کھولا تو وہ اندر آ گئی۔

"آؤ مہندی لگا دوں۔"

"میرا دل نہیں کر رہا۔"

"کیا کہا۔" حمیرا نے اسے یوں دیکھا جیسے اسے ساحہ کی عقل پہ شک ہو۔

"ہاں ٹھیک ہے لگا دو۔" وہ فوراً ہی سنبھل گئی اور ہاتھ آگے کر دیے۔

حمیرا مسلسل باتیں کر رہی تھی اسے دوسرے کی رسپانس کی پروا نہیں ہوتی تھی کہ کوئی سن رہا ہے یا نہیں۔ اس کی زبان فراٹے بھرتی تھی اس لیے اشعر چڑانے کی نیت سے اسے طوطا کہتا تھا۔

ساحہ اپنے خیالوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔

حمیرا نے بڑی مہارت سے مہندی لگائی تھی۔ وہ اسے بیڈ پر بٹھا کے نیچے نہ اترنے کی تاکید کر گئی۔

رات دھیرے دھیرے گزر رہی تھی۔ وہ بظاہر آنکھیں موندے سونے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ جس سے ذیشان گیا تھا اسے حقیقتاً ایک منٹ کا بھی سکون نہیں ملا تھا۔ نہ جانے

زندگی کیوں قدم قدم۔ امتحان لینے آ کھڑی ہوئی تھی۔ کاشف اور لائبہ اس کے ساتھ انکل سیف کے گھر جا کر رہنے سے کتنے خوش نظر آ رہے تھے۔ گھر میں شادی کا ماحول سا بنا ہوا تھا۔ ہنسی مذاق شرارتیں ہلا گلا دیکھ کر یوں لگ رہا تھا جیسے اب اس کی زندگی سے یاسیت اداسی اور دکھ رخصت ہونے کی تیاری میں ہے۔ کاشف اور لائبہ کی طرف سے وہ جو انجانے سے خوف اور خدشات کا شکار تھی نائلہ آنٹی سے بات کرنے کے بعد وہ خوف اور خدشات ہوا میں تحلیل ہو گئے تھے۔ انجم انکل نے بھی بڑی حوصلہ افزا باتیں کی تھیں۔

"ہماری بیٹی ایسے کیوں سوچتی ہے جس طرح تم کاشف اور لائبہ سے محبت کرتی ہو ان کے بارے میں فکر مند رہتی ہو انہیں اپنی ذمہ داری تصور کرتی ہو اب اس معاملے میں تم اکیلی نہیں ہو سیف اور ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ یہ صرف سیف کا اور تمہارا گھر نہیں ہے بلکہ کاشف اور لائبہ کا بھی ہے۔ میں سیف سے واقف ہوں وہ حساس ہمدرد اور رشتوں کی نزاکت سے آگاہ ہے ہمیں پہلے ہی پتا تھا کاشف اور لائبہ تمہاری ذمہ داری ہیں ہم نے واقف ہو کر ہی رشتہ طے کیا ہے تم اب الٹی سیدھی باتوں کو ذہن میں جگہ مت دو اچھا اچھا سوچو۔" انکل انجم کتنی شفقت اور اپنائیت سے پیش آ رہے تھے۔ ذیشان کے آنے سے پہلے تک وہ پرسکون تھی۔ نئی زندگی کی شروعات سے متعلق سیف کے مزاج اور فیملی کے بارے میں کچھ ہلچل سی تو تھی پر وہ پریشان بالکل نہیں تھی۔

اب ذیشان ذہن و دل میں جیسے ڈیرا ڈال لیا تھا کسی پہلو قرار نہیں تھا جائے تو کہاں جائے۔ ذیشان اس کے سختی سے منع کرنے کے باوجود بار بار اس کے راستے میں آتا رہا۔ کل بھی جب وہ آیا تو حسب عادت سائرہ بھڑک گئی۔

وہ ہال میں بیٹھی ہوئی تھی جہاں اور عورتیں بھی تھیں۔ ذیشان نے اسے ضروری بات کا کہا تھا۔ جب وہ اس کے ساتھ وہاں سے دوسرے کمرے میں جا رہی تھی تو بہت سی نگاہوں نے اس کا پیچھا کیا تھا۔

"آپ بتائیں کیا بات ہے۔" پیلے دوپٹے کے ہالے میں اس کے شاداب چہرے کو ذیشان نے بڑی حسرت سے دیکھا تھا۔

"میں تمہارے اصل سے، تمہارے کرتوتوں سے واقف ہوں اور مجھے اوپر والے کی مہربانی نے بچا لیا ہے ورنہ تم نے لانچ میں آ کر ہماری جان لینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی

تھی۔" وہ اسے آئینہ دکھا رہی تھی۔ وہ تنج ہو کر مسکرایا تو سمانہ کو غصہ آ گیا اس نے جی بھر کر بھڑاس نکالی تھی۔

پھر جب وہ بولا تو اس کی طراری رخصت ہو گئی اس کی جگہ ایک عجیب سی پریشانی اور اضطراب نے لے لی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ذیشان کی باتوں پر یقین کرے یا نہیں اس وقت سے لے کر اب تک وہ مسلسل عذاب میں گرفتار تھی۔

اذانوں کی ہلکی ہلکی آواز آئی تو اسے رات آنکھوں میں کٹنے کا احساس ہوا۔ اس نے اپنے کلائیوں تک مہندی کے نقش و نگار سے سجے ہاتھوں کو دیکھا اور پھر خشک مہندی کو ناخنوں سے کھرو چنے کی کوشش کی ہاتھ دھونے کے بعد مہندی کا رنگ اور بھی تیز اور خوش رنگ لگنے لگا تھا۔ وضو کر کے اس نے کارپٹ پہ جائے نماز بچھائی۔ بڑے خشوع و خضوع سے نماز پڑھنے کے بعد جب اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو آنکھیں برس پڑیں۔

"اے اللہ مجھے فیصلے کی روشنی دینا مجھے بہتری کی راہ دکھانا۔" اس نے صدق دل سے دعا مانگی۔

اب دل قدرے پرسکون تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اس نے اپنا سراپا دیکھا۔ خشک ہوتے پھولوں کے گجرے پیلے کپڑے جا بجا مہندی لگ دوپٹا تھی اور متورم آنکھیں کتنی بے رونق اور اداس نظر آ رہی تھی وہ نئی زندگی کی خوشی اور جوش اس کے سراپے سے یکسر غائب تھا۔

اس نے اپنے سے متعلق رشتوں کے بارے میں سوچا تو پھر رونا آنے لگا۔ وہ اکیلی تھی جواہر آپا اور امینہ ہی اس دنیا میں اس کے لیے رشتہ داری کا حوالہ تھیں وہ بھی نہیں رہی تھیں۔ اس دنیا میں انسان رشتوں کے حوالے سے مضبوط ہوتا ہے اور اس کے پاس کاشف اور لائبہ کا کمزور سا حوالہ تھا۔

صبح پوری طرح طلوع ہو چکی تھی۔ سب اٹھ چکے تھے۔ شام کا فنکشن تھا۔ اسے تیار ہو کر میرج ہال میں جانا تھا اور پھر وہاں سے رخصتی تھی۔

اس گھر میں جہاں وہ اس وقت رہ رہی تھی صادقہ چچی اور انکل کے مشورے سے اس نے فروخت کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

جابر اور جواہر کے باہم مشورے سے یہ گھر تعمیر ہوا تھا اور وصیت نامے کی رو سے سمانہ شادی کے بعد اسے فروخت کرنے کا حق رکھتی تھی۔ فی الحال وہاں دیکھ بھال کے لیے کریم

اور اس کی بیوی موجود تھے۔ چوکیدار کو بھی نہیں ہٹایا گیا تھا اس کا ارادہ تھا سب کچھ پہلے جیسا رہے گا کیونکہ ایک طرح سے یہ گھر اس کا میکا بھی تھا۔ کاشف اور ملائکہ سمیت اس کی بھی یہاں سے خوش گوار یادیں وابستہ تھیں کاشف بیدار ہو کر اسے ڈھونڈتا اس کے پاس چلا آیا تو وہ اپنے خیالات سے چونکی۔

"خالہ آج ہم بھی آپ کے ساتھ سیف انکل کے گھر جائیں گے۔" وہ اپنے تئیں اسے اطلاع دے رہا تھا کتنا معصوم اور آنیوالے قاتل وقت سے بے خبر تھا وہ۔ سامنہ کے دل کو کچھ ہونے لگا اس نے کاشف کو سینے سے لگا لیا۔

"خالہ جانی آپ رو رہی ہیں مما یاد آ رہی ہیں نا آپ کو۔" وہ اس کی آنکھوں میں چمکتے آنسو دیکھ چکا تھا اور خود بھی رو رہا تھا۔

"ہاں مجھے آپا یاد آ رہی ہیں۔" اسے رونے کا بہانہ مل گیا تھا۔ صادقہ اس طرف آئیں تو دونوں کو چپ کرایا۔

"پارلر جانے کا وقت ہو رہا ہے اشعر انتظار کر رہا ہے جلدی کرو حمیرا نے بیگ تیار کر لیا ہے۔ تم یوں بچوں کی طرح رو رہی ہو ان بچوں کا حوصلہ بھی ٹوٹ جائیگا۔ اب تم ہی ان کا سب کچھ ہو اس طرح تو تم انہیں بھی کمزور کر دو گی اٹھو جلدی کرو۔" انہوں نے نرمی سے اسے ٹوکا اور کاشف کو بھی چپ کرایا۔

اشعر اسے اور حمیرا کو پارلر چھوڑ کر چلا گیا۔ خلاف معمول وہ چپ سا تھا۔ حمیرا کی تفصیلی باتوں کا ہوں ہاں میں جواب دیتا رہا۔

پین اسکے ہاتھ میں تھا نکاح نامہ سامنے تھا۔ اس نے ذرا کی ذرا نگاہیں اٹھا کر اپنے اردگرد موجود چہروں کو دیکھا۔ فیصلے کا اختیار ابھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ ناظمہ آنٹی اور انجم انکل کا خوشی سے چمکتا چہرہ۔ سیف کی آنکھوں سے چھلکتی مسرت کاشف اور ملائکہ کا اشتیاق صادقہ چچی کا اطمینان۔ وہ کس کس چہرے کا بھروسہ توڑتی؟ کانپتے ہاتھوں سے اس نے نکاح نامے پر سائن کر دیئے یہ جوا تو اسے کھیلنا ہی تھا۔

سب انجم انکل کو مبارکباد دے رہے تھے۔

ساگر سے صحرا بننے تک
جانے کیا کچھ کھو جاتا ہے

مانجھی کشتی لے اڑتا ہے
پانی میلا ہو جاتا ہے
چاند ٹھٹھر کر مر جاتا ہے
موسم تھک کر سو جاتا ہے
پنچھی اپنی راہ ہو لیتے ہیں
پنجرہ خالی ہو جاتا ہے
آنکھیں میری خالی پنجرے
چھوڑیے ان میں کیا رکھا ہے

سب کھانا کھا رہے تھے۔ حمیرا اس کے ساتھ بیٹھی اس کے ہاں ناں کرنے کے باوجود اسے چکن بھونا کھلا رہی تھی۔ تھوڑا سا کھانے کے بعد اس نے حمیرا کا ہاتھ روک دیا۔ ابھی رخصتی میں وقت باقی تھا جب انھیں زور زور سے رونے اور چیخیں مارنے کی آواز آئی۔ حمیرا دہل گئی جانے کیا ہو گیا تھا۔ وہ صورت حال جاننے کے لیے آوازوں کی سمت چلی گئی۔ سائرہ پریشانی سے اس طرف دیکھ رہی تھی، جدھر حمیرا گئی تھی۔

آمنہ بیگم سینہ کوبی کر رہی تھیں۔ ابھی ابھی ذیشان کے دوست کا فون آیا تھا اس نے خودکشی کی کوشش کی ہے۔ جس دن سے سائرہ کے رشتے کی بات چلی تھی وہ تب سے پریشان اور پژمردہ رہتا تھا۔ کل جب سے وہ سائرہ کے پاس ہو کر گیا تھا اپنا کمرہ لاک کیے اندر پڑا تھا۔ آمنہ جوان بیٹے کی یہ حالت دیکھ دیکھ کر کڑھ رہی تھیں۔ وہ بیٹی کو لے کر سیدھی میرج ہال آ گئی تھیں۔ ذیشان اپنے کمرے میں تھا۔ پیچھے پتا نہیں کیا ہوا اب فون آ گیا تھا۔ ذیشان کے دوست نے انھیں ہاسپٹل پہنچنے کی فوراً ہدایت کی تھی۔

خوشیوں بھرا ماحول سوگوار ہو گیا تھا۔ سارے مرد اسی وقت چلے گئے۔ سائرہ ممانی آنٹی کے ساتھ رخصت ہو کر سیف کے گھر آ گئی۔ سیف اور ڈاکٹر انجم بھی ہاسپٹل گئے ہوئے تھے۔ ذیشان کی حالت سیریس تھی۔ سائرہ خود کو مجرم تصور کر رہی تھی۔ نائلہ الگ پریشان تھیں۔ رات کے گیارہ بج گئے ڈاکٹر انجم اور سیف میں سے کوئی واپس نہیں آیا۔ سائرہ کو عجیب سے وسوسے ستا رہے تھے۔ اس نے کپڑے بدل کر میک اپ صاف کیا ساری جیولری اتاری کھلے بالوں کی سادہ سی چوٹی بنائی۔

"آنٹی میں ذیشان کو دیکھنے ہاسپٹل جاؤں۔" اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا تو انہوں نے کچھ سوچ کر اجازت دے دی۔

"پر سیف تو پہلے ہی ہاسپٹل میں ہے کس کے ساتھ جاؤ گی۔"

"میں چوکیدار کے بیٹے کو ساتھ لے جاتی ہوں۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔" حالانکہ ان کی مرضی تھی وہ سیف کو بلاتیں اور وہ اس کے ساتھ جاتی۔ مگر اسے روکنا انہیں مناسب نہیں لگا۔

وہ ہاسپٹل گئی تو آمنہ چچی نے کاٹ دار غصیلی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ سیف کے چہرے پہ حیرانی تھی جیسے اسے کسی مان کے ٹوٹنے کا دکھ ہو۔

"تم کیوں آ گئی ہو رات گئے۔" صادقہ چچی نے ذرا الگ لے جا کر اسے احساس دلایا۔

"چچی! ذیشان کی کنڈیشن اتنی سیریس ہے مجھ سے رہا نہیں گیا۔ آنٹی کا شف اور لائبہ کے پاس ہیں ورنہ وہ میرے ساتھ آتیں مجبوری تھی۔" مضطربانہ کیفیت میں انگلیاں مروڑتی وہ انہیں بڑی بے بس سی لگی تو انہوں نے اسے مزید ڈانٹنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

کافی دیر گزر گئی تھی۔ صادقہ نے سیف سے کہا کہ وہ اسے گھر لے جائے۔ وہ پارکنگ سے گاڑی نکالنے چلا گیا۔ صادقہ اسے خود گاڑی تک چھوڑ کر گئیں اور ہزاروں نصیحتیں بھی کیں۔

"اللہ سے خیر مانگو آئندہ اس طرح مت آنا شادی شدہ ہو تم اب۔" سیف ڈرائیونگ سیٹ کے ساتھ والا فرنٹ ڈور کھول چکا تھا۔ وہ پیچھے بیٹھ گئی تو صادقہ نے پھر ٹوکا وہ سنی ان سنی کر گئی۔ انہوں نے کچھ چڑھ کر اس پہ چھوڑا پھر سیف کی طرف رخ کیا۔

"اب تم کل آنا ویسے بھی رات کافی زیادہ ہو گئی ہے تم تھک گئے ہو گے ذرا آرام کر لینا، ہونا تو وہی ہے جو مقدر میں ہے۔ انجم بھائی بھی یہیں ہیں۔ ناظمہ پریشان ہو رہی ہو گی اسے تسلی دینا، اب جاؤ۔" سیف نے سعادت مندی سے ساری بات سنی۔ صادقہ اللہ حافظ کہہ کر اندر چلی گئیں تو سیف نے بھی گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

وہ سنجیدگی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ وہ اس کے چہرے کے تاثرات جاننے سے قاصر تھی۔ تھک کر اس نے سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا۔ آج کا دن ہنگامہ خیز اور ناقابل یقین سا تھا۔ وہ تو ذیشان کی کل والی باتوں پہ پریشان اور بے چین سی تھی اوپر سے آج یہ واقعہ ہو گیا تھا۔

آمنہ چچی اسے جس طرح گھور رہی تھیں جانے کسی اور نے بھی نوٹ کیا تھا یا نہیں پر اسے وہ نگاہیں اندر تک کاٹ گئی تھیں۔

صادقہ چچی کی نصیحتیں اور روک ٹوک نہیں ایک غیر لڑکے کے ساتھ اس کا آنا اچھا نہیں لگا تھا۔ محض چند گھنٹوں کی دلہن تھی وہ۔ اس کا یوں منہ اٹھا کر رات گئے چلے آنا مناسب نہیں تھا۔

گاڑی گیٹ کے آگے رکی۔ سیف نے ہارن دیا تو وہ اپنے خیالوں کی وادی سے نکلی۔ چوکیدار مستعد بیٹھا تھا۔

ناظمہ انہی کا انتظار کر رہی تھیں۔ اسے سیف کے ساتھ دیکھ کر انہوں نے سکون کا سانس لیا۔

"آنٹی کاشف اور لائبہ سوئے ہوئے ہیں یا جاگ رہے ہیں۔" سب سے پہلے اس نے انہی کا پوچھا تو سیف نے رخ موڑ کر اسے دیکھا۔ وہ کتنی پریشان لگ رہی تھی۔

"ہاں وہ سوئے ہوئے ہیں۔" ناظمہ آنٹی کے کہنے پہ اس نے کمرے کا دروازہ کھولا اور خود تصدیق کی۔ واقعی دونوں بے خبر سو رہے تھے۔ ان کے ساتھ زمین پہ بچھے کارپٹ پہ نوکرانی بھی سو رہی تھی۔ اسے ناظمہ آنٹی پہ پیار سا آگیا۔

ذیشان نے جو حرکت کی تھی اس نے سب کو پریشانی میں ڈال دیا تھا۔ ورنہ صادقہ نے کہہ رکھا تھا کاشف اور لائبہ کو ساتھ لے جاؤں گی ان کا کہنا تھا تمہاری شادی کے شروع کے چند روز میں دونوں کو پاس رکھوں گی۔ اور ویسے بھی حمیرا سے دونوں مانوس تھے۔

اس نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے دروازہ بند کر دیا۔ ناظمہ آنٹی اسی طرف آ رہی تھیں۔

"سمانہ اب آرام کرو اور کمرے میں جاؤ۔ نئی دلہنیں یوں نہیں گھومتی ہیں۔" ان کے لہجے میں تنبیہہ تھی۔

وہ شرمندہ سی ہو گئی۔ درحقیقت ناظمہ بیٹے کی شادی کی خوشیوں کے یوں بدمزہ ہونے پہ جھنجھلا گئی تھیں۔ ورنہ ذیشان کی خودکشی کی کوشش پہ اوروں کی طرح وہ بھی پریشان تھیں۔

وہ اسے خود اندر چھوڑ کر گئیں۔ اس نے سر اٹھا کر پہلی بار کمرے کا تفصیلی جائزہ لیا۔ پھولوں کی ملی جلی خوشبو سے ماحول مہک رہا تھا۔ سیف باتھ روم میں تھا۔ اندر سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔

وہ وہیں صوفے پہ دونوں ہاتھوں میں سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ سیف کپڑے چینج کر کے کمرے میں آیا تو وہ تکلیف دہ انداز میں رو رہی تھی۔ وہ پریشان ہو گیا۔

"سمانہ کیا بات ہے کیا ہوا ہے۔"

"میرے سر میں بہت شدید درد ہو رہا ہے سردی لگ رہی ہے مجھے۔"

"تو اس میں رونے کی کیا بات ہے آپ آرام کریں یہ پانی کے ساتھ ٹیبلٹس لے لیں اور آرام سے سو جائیں صبح بات ہو گی۔ میں خود بری طرح تھک گیا ہوں، سونا چاہتا ہوں۔" اس نے بڑے سبھاؤ اور سہولت سے بات کی تھی۔

"صبح ڈاکٹر ملک آ کر آپ کو چیک کر لیں گے۔" اس نے دوپٹے سے چہرہ رگڑا اور نئے سرے سے سوں سوں کرنے لگی۔

"میں کاشف اور ملائکہ کے پاس سو جاؤں۔" سیف اس کے پاس کھڑا اس کے جھکے سر اور لرزتے وجود کو دیکھ رہا تھا۔

"نہیں وہاں کلثوم بھی سو رہی ہے۔ مما ناراض ہو جائیں گی۔ آپ ادھر ہی سو جائیں۔ یہ ساتھ دوسرے کمرے کا دروازہ ہے۔ اس نے سامنے خوب صورت نقش و نگار سے آراستہ دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"میں ادھر سو جاتا ہوں۔" سچ مچ وہ ایک تکیہ اٹھا کر ادھر سے چلا گیا تو سمانہ نے سکون کا سانس لیا۔

صبح وہ دیر تک سوتی رہی۔ بارہ بجے کے قریب جب وہ اٹھ کر باہر آئی تو آنٹی ناظمہ ہاسپٹل گئی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر انجم صبح واپس آئے تھے۔ سیف اور سمانہ کے ولیمے کی تقریب منسوخ ہو گئی تھی۔ ذیشان کی موجودہ حالت کے پیش نظر یہ فیصلہ کیا گیا تھا۔ کل آنٹی ناظمہ اور ڈاکٹر انجم کو واپس چلے جانا تھا۔

شام میں سمانہ دوبارہ ہاسپٹل گئی۔ ذیشان اسی حالت میں تھا۔ صادقہ نے تھوڑی دیر بعد سیف کے ساتھ اسے واپس بھیج دیا۔

سمانہ کی طبیعت بہت خراب ہونے لگی تھی۔ ڈاکٹر ملک کو ناظمہ نے بلوایا تھا۔

"انہیں تو تیز بخار ہے بی پی بھی لو ہے۔" انہوں نے ناظمہ کو بتایا۔

"آرام کریں ٹھیک ہو جائیں گی۔" یہ ٹیبلٹ ابھی دودھ کے ساتھ لینی ہے۔"

انہوں نے دواؤں والا نسخہ ناظمہ کی طرف بڑھایا۔ انہوں نے کلثوم کو آواز دی اور اس کے لیے دودھ لانے کو کہا۔ اپنے سامنے انہوں نے سائرہ کو دودھ کے ساتھ دوا دی۔

اس پر دو کمبل پڑے ہوئے تھے پھر بھی اسے سردی لگ رہی تھی۔ درحقیقت خوف کہیں اس کے اندر کنڈل مارے بیٹھا تھا جو اس طرح ظاہر ہو رہا تھا۔ کاشف اس کی بیماری کی وجہ سے گھبرایا ہوا تھا۔

دوسرے دن ناظمہ اور ڈاکٹر انجم چلے گئے۔ اس کی طبیعت ہنوز خراب تھی۔ سیف، ذیشان کی خیریت دریافت کرنے کے بعد ہاسپٹل سے واپس آیا تو سائرہ کاشف اور لائبہ کے ساتھ تیار بیٹھی تھی۔ کاشف اسے دیکھتے ہی چہکا۔

"انکل ہم گھر جا رہے ہیں۔"

"آپ بھی جائیں گے۔" لائبہ نے پوچھا۔

"میں ذرا گھر جا رہی ہوں یہ دونوں ضد کر رہے ہیں کہہ رہے ہیں ہم اپنے گھر کو مس کر رہے ہیں۔" اس نے سفید جھوٹ بولا۔

"ٹھیک ہے میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔" سائرہ پریشان نظر آنے لگی۔ سیف نے توجہ نہیں دی، ورنہ ضرور نوٹ کرتا۔

اسے بچوں کے ساتھ چھوڑ کر وہ واپس چلا گیا تو سائرہ نے سکون کا سانس لیا۔ چار دنوں کے درمیان وہ کتنی الجھی الجھی سی رہی تھی۔ آج رہائی کا احساس ہو رہا تھا۔ اس رہائی کے احساس سے وہ بمشکل ایک دن ہی خوش رہ پائی تھی کہ صادقہ بیگم آ پہنچیں۔ بچوں کے سامنے تو اسے کچھ نہیں کہا البتہ بعد میں اسے اچھی طرح سمجھایا۔

"بیٹی اس گھر میں کیا ہے تحفظ کا احساس تک نہیں ہے۔ تم کیوں بھول گئی ہو یہاں کس طرح تم نے خوف کے عالم میں گولیاں چلنے کے بعد چار دن گزارے ہیں۔ دشمن کو بھی کمزور مت جانو۔ اب تم شادی شدہ ہو تمہارا ایک گھر ہے اگر یہاں آنا ہے تو چند گھنٹوں کے لیے آؤ اور پھر لوٹ جاؤ تمہاری وجہ سے ناظمہ پریشان تھی ایئرپورٹ پر بھی بار بار مجھے تمہارا خیال رکھنے کی تاکید کر رہی تھی۔ ذیشان کل ڈسچارج ہو کر گھر آ رہا ہے یہ فرض انجم بھائی سونپ کر گئے ہیں۔ تم اب گھر جاؤ اور پرسوں کے لیے تیاری کرو۔ کاشف اور لائبہ میرے ساتھ جائیں گے۔ میرا ابھی انہیں مس کر رہی ہے پانچ چھ روز کے بعد میں چھوڑ جاؤں گی۔" ان کا لہجہ

بہت مضبوط تھا سمانہ کو ایک بھی لفظ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔
اپنے کہنے کے مطابق وہ سمانہ کو چھوڑ کر بچوں کو لے گئیں۔
سیف گھر میں تھا صادقہ کافی دیر اس کے پاس بیٹھی رہیں۔
"بیٹا سمانہ کا خیال رکھنا اور محسوس مت کرنا ابھی اس کے ناز اٹھانے کے دن ہیں۔"
"ناز ہی تو اٹھا رہا ہوں چھ روز سے اور برداشت الگ کر رہا ہوں۔"
"بس حالات ہی ایسے ہو گئے تھے ذیشان کی خودکشی نے ہم سب کی مت ماردی تھی اب پرسوں ولیمہ ہے تمہارے انکل نے سب کو اطلاع کردی ہے۔"
"ہاں آنٹی مجھے پتا ہے اور یہ اشعر کہاں غائب ہے پرسوں سے۔"
کہتا ہے کام میں بزی ہوں۔"
"اچھا میں اب چلتی ہوں کل آؤں گی سمانہ کا خیال رکھنا۔" جاتے جاتے وہ پھر پلٹ آئیں۔
"ابھی اس پہ ماحول کی اجنبیت طاری ہے بالکل نئے گھر میں آئی تھیں کیا پتا لڑکی کے لیے پرائے لوگوں اور گھر سے ناطہ جوڑنا کتنا مشکل ہوتا ہے یہ تم کسی نئی نویلی دلہن سے پوچھو۔ سمانہ آہستہ آہستہ ایڈجسٹ ہو جائے گی۔ مجھے اپنا زمانہ یاد آ گیا ہے۔ شادی کے بعد دن میں کئی بار میکے والوں کو یاد کر کے روتی تھی۔" ماضی میں جھانکتے ہی ان کے لبوں پہ مسکراہٹ آ گئی۔ نامحسوس انداز میں انہوں نے سیف کے ذہن میں پائے جانے والے ابہام دور کرنے کی کوشش کی تھی۔
صادقہ کے جانے کے بعد سمانہ لان میں بنے سنگی بنچ پہ آ کر بیٹھ گئی۔ مگر کچھ مدت بعد ہی اٹھ کر پچھلی دیوار کے پاس آ گئی یہاں سے کسی کے بھی دیکھ لیے جانے کا امکان نہیں تھا وہ آرام سے آئندہ کے لیے لائحہ عمل تیار کرنا چاہتی تھی۔ کافی دیر گزر گئی تھی وہ دیوار کے پاس سے ہٹ آئی۔
سیف کی ادھیڑ عمر ملازمہ کلثوم اسے بلانے اسی طرف آ رہی تھی۔ سیف کھانے پہ اس کا انتظار کر رہا تھا۔ کلثوم کھانے کے دوران وہیں موجود رہی اور سمانہ کو ایک ایک چیز پیش کرتی رہی۔ اسے کھانا حلق سے اتارنا محال لگ رہا تھا۔ سیف خاموشی سے پلیٹ پہ جھکا کھاتا رہا۔
فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ وہ کھانا چھوڑ کر سننے چلا گیا۔

"ہیلو!" وہ مدھم لہجے میں بولا۔ دوسری طرف وہی گہری گہری سانسوں کی آواز تھی کوئی کچھ نہیں بول رہا تھا خاصی دیر بعد آواز آئی تو یوں جیسے کوئی سخت تکلیف کے عالم میں بول رہا ہو۔ اس کے ساتھ ہی فون بند ہو گیا اس نے ریسیور کریڈل پہ رکھ دیا۔ اس کی شادی کے بعد سے یہ پراسرار ٹیلی فون کالز آرہی تھیں۔ اس نے نمبر چیک کروایا۔ روز کوئی پی سی او بدل بدل کر فون کرتا تھا۔ تنگ آکر اس نے دھیان دینا چھوڑ دیا تھا۔

"چھوٹے صاحب کس کا فون تھا۔" کلثوم نے اپنی عادت سے مجبور ہو کر پوچھا

"ایک دوست کا تھا" اس نے بتایا۔ کلثوم قہوہ بنا کر لے آئی تھی۔ سائرہ ادھر ہی تھی۔

"بیٹا آپ اتنی کمزور لگنے لگی ہیں مجھے۔ کھانا بھی برائے نام کھایا ہے۔" وہ پیار سے بولیں۔ شادی کے بعد انہوں نے سائرہ کو چھوٹی بیگم کہہ کر مخاطب کرنا شروع کیا تو اس نے انہیں ٹوک دیا۔

"مجھے میرا نام لے کر بلایا کریں یا بیٹی کہا کریں۔" کلثوم نہال ہو گئی تھیں۔

"دراصل میں کھانے سے پہلے میں نے چائے پی تھی اس لیے خاص بھوک نہیں تھی۔" اس نے صفائی دی۔

"میں نے دودھ ابال دیا ہے سونے سے پہلے یاد سے پی لینا۔" اس نے غائب دماغی سے سر ہلایا۔

دودھ دو گلاسوں میں سائڈ ٹیبل پہ پڑا ہوا تھا۔ سیف کمرے میں نہیں تھا اور نہ ہی اس کی موجودگی کے آثار تھے۔ اس کے پورے وجود میں طمانیت سی بھر گئی اور حال جیل سے چھوٹے اس قیدی کا سا ہو گیا جسے پھانسی کی سزا سنا کر اچانک باعزت رہائی کی خوش خبری سنائی گئی ہو۔

اس نے بیگ میں رکھی بوتل نکالی اور دو گولیاں نکال کر دودھ کے ایک گلاس میں ڈال دیں۔ دوسرا گلاس اٹھا کر اس نے خود پی لیا۔ سیف اشعر کی طرف گیا ہوا تھا اسے ضروری کام کا کہہ کر بلایا تھا۔ سائرہ کمبل تان کر سو گئی۔

نیم تاریکی روشنی میں پہلے تو وہ ان بندھے ہاتھوں کو پہچان ہی نہیں پائی چہرہ سامنے آیا تو وہ سن سی ہو گئی۔ یہ چہرہ امینہ کا تھا۔ گھٹی گھٹی چیخیں خرخراہٹ کی آواز بیڈ کی تازہ لہو کے چھینٹوں سے رنگین ہوتی چادر۔

"چھوڑ دیں مجھے، چھوڑ دیں! میں سب کو بتا دوں گی۔" التجا کے انداز میں اس کے دونوں ہاتھ پھیلے ہوئے تھے۔ آنسوؤں سے سارا چہرہ بھیگا ہوا تھا۔ کہیں دور سے بہت سی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ آوازوں کی سمت کا اندازہ کر ہی رہی تھی کہ یکدم اس کی آنکھ کھل گئی۔ ٹیوب لائٹ سے اس کی آنکھیں چندھیا سی گئیں۔ وہ سچ مچ رو رہی تھی۔ سیف اس پہ جھکا پریشانی سے دیکھ رہا تھا۔

وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے اشعر کی طرف سے واپس آیا تھا۔ روزانہ کی طرح آج بھی سمانہ سر سے لے کر پاؤں تک کمبل میں ملفوف ممنوعہ علاقے کا اشتہار بنی ہوئی تھی۔ گھٹی گھٹی چیخوں نے سیف کو اس کی طرف متوجہ کیا تھا۔ وہ کپڑے بدل رہا تھا جب مبہم سی آواز اور لفظ اس کی سماعتوں سے ٹکرائے پھر دبی دبی سسکیاں اور چیخیں۔ وہ شرٹ کے بٹن لگائے بغیر باہر آیا اور سمانہ کے چہرے پر آنسوؤں کے نشان تھے۔ شاید وہ خواب میں ڈر گئی تھی۔ سیف کو یوں اپنے چہرے پہ جھکا دیکھ کر وہ کرب و اذیت میں ڈوبی چیخیں اب کے کانوں کے بہت قریب سرسرانے لگیں۔ وہ اٹھ بیٹھی۔

"میری طبیعت خراب ہے۔" اسے اپنی آواز اجنبی سی لگی تھی۔

"ٹھیک ہے، سو جائیں کل ہمارا ولیمہ ہے۔ اس کے بعد تفصیلاً بات ہو گی۔" سیف کے لہجے میں آنچ سی تھی۔ سمانہ نے ڈرتے ڈرتے نگاہیں اٹھائیں۔ نائٹ شرٹ کے کھلے بٹنوں سے اس کا مضبوط جسم اور چوڑا سینہ نمایاں تھا۔ وہ متاثر کن شخصیت کا مالک تھا۔ وہ منظر سے ہٹا تو اس نے سکون کا سانس لیا۔

ولیمے کی تقریب سیف نے گھر پہ ہی ارینج کی تھی۔ اس کے خاص خاص دوست چند رشتہ دار اور سمانہ کی طرف سے لوگ تھے۔

ذیشان گھر آچکا تھا۔ سمانہ کے دل کو اطمینان ملا۔ پھر بھی کہیں دبا دبا خوف ضرور موجود تھا۔

لائبہ اسے چھو چھو کر دیکھ رہی تھی۔ شادی کے دن سے زیادہ آج خوب صورت لگ رہی تھی۔ اشعر کی ایک کزن نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"میرے خیال سے آپ کی شادی تو آج ہی ہوئی ہے کیونکہ سیف بھائی کی شب عروسی تو ہاسپٹل کی نذر ہو گئی تھی۔" سمانہ کے گال دہک اٹھے۔

سیف کے دوستوں نے دونوں کی تصویریں بنائیں۔ اب زیادہ تر لوگ جا چکے تھے۔ سیف کے چند دوست اور عورتیں تھیں۔ صادقہ جاتے وقت کاشف اور لائبہ کو ساتھ لے گئیں۔ وہ بھی حمیرا کے ساتھ بڑے خوش تھے۔ اسکول سے چھ روز کی چھٹیاں تھیں روز ہی وہ انہیں کہیں نہ کہیں لے جاتی اس لیے وہ سائرہ کو بالکل بھی مس نہیں کر رہے تھے۔

سیف نے گولڈ چین کے ساتھ ہیرا جڑا لاکٹ لے دیا تھا۔

"شادی کے اتنے دن بعد بھی ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں مگر اب آج اور ابھی یہ اجنبیت ختم ہو جانی چاہیے۔" سیف کا انداز اور تیور معنی خیز تھے۔ سائرہ نے پاؤں جہازی سائز بیڈ سے نیچے لٹکائے۔

"بیٹھو یہاں حرکت مت کرنا۔" سیف کی آواز بہت سرد، دکھی اور اجنبی تھی۔

"کہیں جا رہی ہو آرام سے بیٹھو بات کیا ہے۔" اس بار سیف بڑے دوستانہ انداز میں بولا۔ ساتھ ہی اس نے بڑی اپنائیت سے اس کے شانے پر بازو ڈال کر اسے نیچے اترنے سے باز رکھا پر وہ تو یوں اچھلی جیسے بجلی کا ننگا تار اس کے جسم سے مس ہو گیا ہو۔

"دیکھیں مجھے ہاتھ مت لگائیں دور رہیں مجھ سے۔" اس کی آواز سخت تھی۔ سیف کی آنکھیں غصے سے دہک اٹھیں۔

"آپ نے مجھے کاٹھ کا الو یا پھر کوئی بے جان چیز فرض کر لیا ہے میں نے ابھی تک آپ سے اس گریز یا بے رو پے کا سبب نہیں پوچھا پہلے تین چار روز میں یہی سمجھتا رہا کہ آپ کی طبیعت واقعی زیادہ خراب ہے۔ دیکھ کر ہی مجھے ترس آ جاتا۔ مگر آج ابھی آپ کو بتانا پڑے گا کہ یہ سب کیا ہے؟ ہماری شادی دنیا کی انوکھی شادی تو نہیں ہے۔ جو میرے ساتھ یہ امتیازی واقعات پورے ایک ہفتے سے پیش آ رہے ہیں۔ میں جہاں ہوتا ہوں آپ وہاں سے ہٹ جاتی ہیں جیسے میں کوئی آدم خور عفریت ہوں۔ یہ میری شرافت کی انتہا سمجھ لیں کہ میں نے ابھی تک آپ پر کوئی حق نہیں جتایا یوں لگتا ہے جیسے میری بیوی کے بجائے آپ لاتعلق ہستی ہیں۔ آن اشعر کی ایک کزن نے ہنسی ہنسی میں مجھے جتا بھی دیا میں نے کس طرح انہیں مطمئن کیا ہے مجھے ہی پتا ہے۔ سما کہتی ہیں آپ ابھی نئی اس گھر میں آئی ہیں اس لیے اجنبیت کا خول اترتے میں وقت تو لگے گا میری کزن کی ڈولی میرے سامنے آئی تھی۔ شادی کے دوسرے دن وہ پورے گھر میں چہکتی پھر رہی تھی جیسے برسوں سے وہیں رہتی آ رہی ہو۔ تمہیں سائرہ یہ اجنبیت نہیں ہے،

بہر حال جو کچھ بھی ہے آپ اس کا جواب دیں گی اگر جواب سچا ہوا تو پرسکون نیند سو سکیں گی ورنہ جو ہوگا میری مرضی سے ہوگا۔" اس کے تیور جارحانہ لگ رہے تھے۔

سانیہ کی نگاہ نے جھجکتے ہوئے پورے کمرے کا سفر طے کیا۔ بیڈ روم کے درمیانی کمرے کا دروازہ نیم وا تھا۔ جہاں شادی کی پہلی رات سیف سویا تھا۔ یہاں ایک بیڈ، الماری، صوفہ اور چند کرسیاں تھیں۔ اس کے پاس سوچنے کے لیے زیادہ وقت نہیں تھا صرف چند قدموں کا ہی تو فاصلہ تھا۔ اس طرح وہ محفوظ رہ سکتی تھی۔ اسے اچھی طرح پتا تھا یہ دن بھی آنا ہے۔

"میرے سوالوں کے جواب سوچ میں چینج کر کے آتا ہوں۔" وہ وہاں سے ہٹا تو سانیہ اٹھی۔ اس کی کلائیوں میں بجی چوڑیوں نے شور مچایا تو وہ ڈر سی گئی۔ دبے قدموں چلتی سامنے کھلے نظر آنے والے دروازے سے وہ اندر آئی اور بڑی عجلت سے لاک میں چابی گھمائی۔ پھر ٹٹول کر لائٹ جلائی۔

سیف چینج کر کے باہر آیا تو وہ وہاں نہیں تھی۔ مرکزی دروازہ اندر سے بند تھا وہ کہاں ہو سکتی تھی؟ کمرے کا درمیانی دروازہ مکمل طور پر بند نظر آرہا تھا۔ اس کے ذہن سے جواب موصول ہوا وہ وہیں ہے۔ لاک گھمانے سے اس جواب کی مکمل طور پر تصدیق بھی ہو گئی۔ ایک دو بار اس نے سانیہ کو بلایا تو وہ خوفزدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ کر رہ گئی۔

سیف بہت الجھا ہوا تھا۔ سانیہ کا مبہم اور پراسرار رویہ اجنبی سیل فون کا ملنا اسے دیکھتے ہی سانیہ کا سٹ جانا اور طبیعت کی خرابی کا بہانہ کرنا۔ وہ کسی بھی سوال کا جواب ڈھونڈنے سے قاصر تھا۔ کوئی ایسی توجیہہ بھی تو نہیں تھی جسے پا کر وہ خود کو مطمئن کرتا۔ سانیہ کا یہ رویہ اسے بیچ جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر رہا تھا۔

"سانیہ صاحبہ صبح ہونے دیں میں کوئی پراسراریت باقی نہیں رہنے دوں گا اور نہ ہی اپنی شرافت سے کسی کو ناجائز فائدہ اٹھانے دوں گا۔ زندگی کے سب اہم فیصلے میں کہیں مجھ سے کوئی غلطی تو نہیں ہو گئی ہے ابھی کسی کو کچھ پتا نہیں ہے پر دیکھنے والے تو قیامت کی نگاہ رکھتے ہیں۔" وہ تکیے کو دوہرا کر کے رہ گیا۔

سانیہ بری طرح کپکپا رہی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ نرم گرم بستر کی آغوش میں تھی۔ پر اب سردی پوری طرح محسوس ہو رہی تھی۔ آدھی آستینوں والی لہنگے کی چولی اور کامدار دوپٹا کہاں تک سردی کا بچاؤ کر سکتے تھے۔ آتشدان سامنے تھا اگر ماچس ملتی تو وہ جلا لیتی۔ اس نے

سارے کمرے میں ممکنہ جگہوں پہ ماچس اور سیف کا سگریٹ لائٹر ڈھونڈا۔ ہوتا تو ملتا نا۔ اب باقی رات صبر شکر کر کے گزارنی تھی۔ سکڑ سمٹ کر وہ صوفے پہ بیٹھ گئی اور گرا چھی طرح بیڈ شیٹ لپیٹی ہوئی تھی۔ بے اختیار ایک چھینک آئی تو اس نے منہ پہ ہاتھ رکھ لیا اس کے بعد تو نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مسلسل پانی بہہ رہا تھا۔ یہی حال ناک کا تھا۔ ایک لمحے کے لیے اس کا جی چاہا کہ باہر نکل کر دوسری طرف موجود پرسکون و پرحرارت کمرے میں چلی جائے۔ سیف سے انسانیت کے ناطے مدد مانگے پر دل و دماغ میں جنگ سے چھڑ گئی۔ دل ہاں اور دماغ انکار میں جواب دے رہا تھا۔ اسے سیف کے درشت تیور اچھی طرح یاد تھے۔ اس وقت اس کی آمد کا اسے اچھی طرح اندازہ تھا حفاظتی تدابیر بھی اپنے طور پر کر لی تھیں۔ اسے اس بات پہ حیرت تھی آج سے پہلے سات روز تک ایک بار بھی سیف نے مردانگی نہیں جتائی تھی وجہ اس کی طبیعت کی خرابی یا کچھ بھی رہی ہو وہ خاموش رہا تھا۔

شادی کا پہلا دن تو ہاسپٹل کی نذر ہو گیا تھا۔ آئندہ آنے والے دنوں میں اس کے پاس طبیعت کی خرابی کا بہانہ تھا۔ وہ خاموشی سے اس کا جائزہ لینے کے بعد سو جاتا پر آج حساب کتاب کا دن تھا۔

"کاش کہیں سے تھوڑی سی حرارت میسر آ جائے۔" اس دعا کے ساتھ ہی اسے ہنسی آ گئی۔ دل گرفتہ اور ٹوٹی ہوئی سی ہنسی۔ اسے یہ رات قیامت کی رات لگ رہی تھی کسی طرح گزرنے میں ہی نہیں آ رہی تھی۔

"ان نتائج کا سامنا مجھے کرنا ہی ہو گا تو کیوں نہ ابھی سہی کم از کم اس سرد جہنم سے تو نجات ملے گی۔" یکا یک فیصلے کے بعد اس نے دروازہ کھول دیا۔ سیف نے سرخ سرخ آنکھوں سے اسے دیکھا تو وہ مرے مرے قدموں سے کمرے کے درمیان آ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ سر کے پیچھے دونوں ہاتھوں کا تکیہ بنائے دراز تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ سردی جب اس کے لیے ناقابل برداشت ہو جائے گی تو وہ ضرور باہر آئے گی کیونکہ کل جب نوکرانی صفائی کر رہی تھی تو اس نے فالتو چیزیں باہر نکالنے کو کہا تھا۔ نوکرانی نے دھوپ لگانے کی غرض سے کمبل بھی وہاں سے اٹھا دیا تھا۔

سیف اپنے سوالوں کے ممکنہ جواب سوچ سوچ جھنجلا رہا تھا۔ اس عالم میں کہاں نیند آتی۔ وہ کمبل ہٹا کر نیچے اترا۔ سامنے وہیں رک سی گئی۔

"دیکھیں میرے قریب مت آئیں۔" اس نے اپنی بھرائی ہوئی آواز میں کہا تو سیف کو اپنا غصہ چھپانا دشوار لگنے لگا۔

"تم اتنی حسینہ عالم بھی نہیں ہو کہ ہاتھ لگاتے ہی مسوم ہو جاؤں گا۔" اس نے الفاظ کو خوب چبا چبا کر اور کچل کر ادا کیا تو سمانہ نے ناقابل یقین سی حرکت کی وہ اس کے قدموں میں گر گئی۔

"فار گاڈ سیک مجھے مت ہاتھ لگائیں اگر آپ میں ذرا سی بھی انسانیت ہے یا مجھ سے ذرہ بھر بھی لگاؤ ہے تو اس پہ ضرور غور کریں۔ آپ کو اللہ کا واسطہ مجھ سے دور رہیں مجھے میرے حال پہ چھوڑ دیں۔" وہ زار و قطار رو رہی تھی۔ سیف نے بڑی مشکل سے اس سے اپنے پاؤں چھڑائے۔ درحقیقت سمانہ کو یوں اپنے قدموں میں پڑے دیکھ کر اسے بے حد افسوس ہوا تھا اس کی اس حرکت پہ بے اختیار سمانہ کو ملامت کرنے کو جی چاہ رہا ہے۔ اب تو اس کے لیے وہ پراسرار معمہ بن گئی تھی۔

"اٹھو یہاں سے اور اوپر بیٹھو ٹھنڈ لگ جائے گی۔ مجھے آرام سے بتاؤ اس جملے کا محرک کیا ہے۔" وہ بڑے ٹھنڈے لہجے میں بولتا دور ہٹ گیا۔

"میں آپ کے قابل نہیں ہوں۔" وہ سنانے میں آ گیا۔

"مجھے میرے حال پہ چھوڑ دیں ایک کونے میں پڑا رہنے دیں اگر آپ مجھے زندہ دیکھنا چاہتے ہیں تو میرے حال پہ چھوڑ دیں۔" وہ رک رک کر بول رہی تھی۔ وہ سر تھامے بیٹھا تھا۔ کہیں وہ مذاق تو نہیں کر رہی تھی مگر اس کے تاثرات میں کسی مذاق کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"شادی اور اس تعلق کے حوالے سے میرے ذہن میں خوف چھپا بیٹھا ہے اس لیے میں خود کو شادی کے قابل سمجھتی ہی نہیں ہوں۔ میں نے صرف کاشف اور ولائبہ کے تحفظ کے لیے یہ شادی کی ہے میں بہت مجبور ہوں۔"

کاشف اور ولائبہ کی وجہ سے مجبور تھیں یا آدمی جائیداد کے لالچ نے مجبور کیا۔" وہ صرف سوچ سکا۔

"خیر کھوج لگا کر رہوں گا یوں قربانی کا بکرا نہیں بنوں گا۔" وہ غور سے اس کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔

"خیر میں اب سونے لگا ہوں بعد میں اس موضوع پہ بات ہوگی۔" اس نے اپنی طرف سے بات ختم کر دی۔ سمانہ اس کے سامنے سے ہٹ گئی۔

وہ اندر سے بہت خوش تھی کہ اتنی آسانی سے میدان مار لیا ہے۔

کاشف اور لائبہ کو اگلے روز صادقہ کے ناں ناں کرنے کے باوجود اس نے بلوالیا تھا۔ تبدیلی سے دونوں بہن بھائی بہت خوش تھے۔ ان کے اسکول کھل چکے تھے۔ صبح سے لگا بندھا معمول شروع ہو جاتا تھا۔

کلثوم نے ان دونوں کے کمرے میں کچھ اور چیزوں کا اضافہ کیا تھا جس سے خوب صورتی بڑھ گئی تھی۔ سیف نے اس سلسلے میں انٹیریئر ڈیکوریٹر سے مدد لی تھی۔ کاشف ہی اسٹڈی ٹیبل اور چیئرز دیکھ کر خوش تھا۔ پہلے اس گھر میں کوئی بچہ نہیں تھا اس لیے کمروں کی ڈیکوریشن بڑوں کے مزاج کے مطابق تھی۔ کاشف اور لائبہ کی غیر موجودگی میں سیف نے تمام سیٹنگ کروائی تھی۔

خود ساشہ نے ابھی سب کچھ دیکھا تھا اور دل میں سیف کے ذوق کو سراہا تھا۔

اشعر، سیف کی غیر موجودگی میں آیا تھا۔ کسی دبے دبے جوش کے سبب اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ ساشہ نے اسے کافی دنوں بعد دیکھا تھا سب کا حال احوال پوچھا۔ وہ بیٹھتے ہی شروع ہو گیا۔

"میں بچوں اور خاص طور پہ کم سن بچیوں پہ زیادتی سے متعلق فیچر لکھنے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس سلسلے میں دس سال پرانا ریکارڈ بھی میرے سامنے تھا میں نے وہ تمام کیس دیکھے جو ان دس سالوں میں رجسٹرڈ ہوئے۔ ان میں سے ایک واقعے نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کروائی۔ یہ دیکھو یہ پرانا اخبار" اس نے اخبار نکال کر اسے دکھایا اور ایک تصویر پہ انگلی رکھ دی۔

وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے تصویر میں نظر آنے والے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے ساکت لب ابھی بول پڑیں گے۔ اس نے غور سے دیکھا تو وہ ہل رہے تھے۔

میرے درد کو جو زباں ملے
میرا درد نغمہ بے صدا
میری ذات ذرہ بے نشاں
میرے درد کو جو زباں ملے
مجھے اپنا نام و نشاں ملے
مجھے راز نظم جہاں ملے

جو مجھے یہ راز نہاں ملے
میری خامشی کو بیاں ملے

خون میں بھیگے چہرے والی وہ تصویر امینہ کی تھی۔ اس کے لب فریاد کناں تھا۔

میرے درد کو جو زباں ملے۔

وہ چلا رہی تھی۔ سائرہ اس کی چیخیں کانوں میں محسوس کر رہی تھی اسے یوں لگا جیسے درد کی شدت سے اس کے کان کے پردے پھٹ جائیں گے۔

"نہیں نہیں۔" وہ بے اختیار ہذیانی انداز میں چیخ پڑی۔

"سائرہ تم اسے جانتی ہو میں تصور بھی نہیں کر سکتا کہ یہ امینہ نام کی لڑکی اس کا قتل جابر بھائی کے گھر ہوگا مجھے تھوڑا تھوڑا یاد ہے جب ان کی شادی کے بعد ہم سب رشتہ داران کے گھر جانا شروع ہوئے تھے تو سنا تھا کہ ان کے گھر رہنے والی بچی کو کسی نامعلوم شخص نے قتل کر دیا ہے۔ یہ کیس ساڑھے آٹھ سال پہلے رجسٹرڈ ہوا تھا۔ پولیس نے تفتیش کی ہوگی اور پھر حسب عادت قاتل کی تلاش میں ناکام ہونے کے بعد کیس خارج کر دیا ہوگا۔ اس اخبار میں سب کچھ لکھا ہوا ہے۔ میں تو جسمانی زیادتی سے متعلق تفصیلات جمع کر رہا تھا۔ یہ اتفاق سے میرے سامنے آیا۔ تم لوگوں نے کبھی ذکر ہی نہیں کیا۔" وہ شکوہ کر رہا تھا۔

"کیا ذکر کرتے میں خود اس وقت بہت چھوٹی تھی۔"

"تمہاری تصویر بھی امینہ کے ساتھ چھپی تھی۔"

اشعر کا لہجہ عام سا تھا مگر اسے جھرجھری سی آ گئی۔

"اس رپورٹ اخباری خبر میں لکھا ہے کہ جب بچی قتل ہوئی تو سائرہ نام کی لڑکی بھی گھر میں موجود تھی جس کا بیان بھی لیا تھا مگر ان کے مطابق کوئی کام کی بات تم سے معلوم نہ ہو سکی۔" وہ اسے اس کا تکلیف دہ ماضی یاد دلا رہا تھا۔

"مجھے کچھ نہیں پتا اشعر بھائی میں سچ کہہ رہی ہوں۔"

"تم اتنا گھبرا کیوں رہی ہو کیا تم قاتل کو جانتی تھیں۔" اشعر اس کی نفسیات سے کھیل رہا تھا۔

"نہیں نہیں میں تو جابر بھائی کے بیڈروم میں سوئی ہوئی تھی مجھے کیا پتا امینہ کو کس نے مارا۔" اس کے چہرے پر پسینے کے قطرے نمودار ہو گئے تھے۔

"تم جانتی ہو امینہ کو کس نے قتل کیا ہے۔" وہ ایک ایک لفظ پہ زور دے کر بولا۔

"میں آج جان گیا ہوں تمہاری شخصیت میں اسرار سا کیوں ہے تمہاری آنکھوں میں کون سا بھید ہے تمہیں پہلی بار دیکھتے ہی ایک جملہ میرے ذہن میں آیا تھا جانتی ہو وہ جملہ کیا تھا۔" وہ رک کر سوالیہ نگاہوں سے اسے تکنے لگا۔

"وہ جملہ یہ تھا کہ ......" وہ پھر رک گیا سارہ خاموش سی سحر زدہ لگ رہی تھی۔ وہ جملہ یہ تھا کہ "پراسراریت میں لپٹا حسن" میں جان گیا ہوں کہ تمہاری پراسراریت کسی راز کی مرہون منت ہے اور یہ راز امینہ کے قتل سے جڑا ہوا ہے اس کا مجھے سو فی صد یقین ہے" وہ جوتے کی نو سے قالین کریدنے لگا۔

ایک تکلیف دہ خاموشی دونوں کے درمیان طاری تھی۔

"میں آپ کے لیے چائے بناتی ہوں۔" بمشکل تمام اس نے خود کو نارمل کیا اور موضوع گفتگو بدلنے کی کوشش کی۔

"میں یہاں چائے پینے نہیں آیا ہوں بلکہ تمہاری پراسراریت، تمہاری آنکھوں میں بسی پراسراریت کا انجام دیکھنے آیا ہوں۔" اشعر کا لہجہ سرگوشیانہ ہو گیا۔

"اشعر بھائی آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" دکھ، حیرت، افسوس کیا نہیں تھا اس کے لہجے میں وہ اچانک اپنے حواس میں آ گیا۔

"میں جا رہا ہوں پھر آؤں گا۔" اشعر اخبار وہیں چھوڑ گیا تھا جو سارہ نے اٹھا کر چھپا دیا۔

آٹھ سال پرانی باتیں ایک ایک کر کے پھر سامنے آ گئی تھیں۔

"اے اللہ مجھے اس اذیت سے اس دکھ سے نجات دلا دے! اے میرے اللہ میری تکلیفوں کا میری آزمائشوں کا خاتمہ کر دے۔ مجھے ہمت و حوصلہ دے! میرے ساتھ کاشف اور لائبہ کی زندگی بھی مسلسل عذاب میں ہے خطرے میں ہے اے میرے مالک انہیں اپنی نگہبانی میں رکھنا انہیں اپنی امان میں رکھنا اور مجھے کسی اور آزمائش کا سامنا کرنے سے محفوظ رکھنا! میرے مولا میرا بھرم تمہارے ہاتھ میں ہے اسے ٹوٹنے سے بچانا!" اللہ کے سامنے سربسجود ہوتے ہی اس کی آنکھیں برس پڑیں اور لبوں پہ التجائیں مچلنے لگیں۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

چھٹی کا دن تھا۔ خوش گوار سی دھوپ گھر کے در و دیوار پہ اتری ہوئی تھی۔ کاشف اور

لائبہ لان میں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ ان کے پاس ہی سیف کرسی پہ آنکھیں موندے پڑا تھا۔ لائبہ بھاگتے بھاگتے شرارت سے سیف کے پاس آگئی تو وہ آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگا۔

"انکل بھائی مجھے مارے گا۔" وہ اس کی گود میں چھپنے لگی "کیوں بھائی مارے گا۔"

"میں نے بھائی کے بال کھینچے ہیں نا۔" وہ معصومیت سے اپنا کارنامہ بتانے لگی تو سیف نے اسے گود میں بٹھا لیا۔

"شیطان کی خالہ شرارت کرتی ہو۔" سیف نے پیار سے اس کا گال چوما اتنے میں کاشف بھی ادھر آگیا۔

"انکل لائبہ گندی ہے اسے اتاریں گود سے۔" وہ روٹھے پن سے گویا ہوا تو سیف نے اسے بھی پاس بٹھا لیا۔

"نہیں بیٹا بہن ہے ایسے نہیں کہتے۔" اس نے سہولت سے ٹوکا۔ کاشف فوراً ہی بھول بھال گیا۔

"انکل کہیں آؤٹنگ پہ نہ چلیں۔" سیر و تفریح کا تو وہ دیوانہ تھا بڑے مزے سے آئیڈیا دیا۔

"ٹھیک ہے چلتے ہیں مگر پہلے میں چینج کرلوں۔"

"ٹھیک ہے انکل۔" کاشف بے طرح خوش ہو گیا۔ صائمہ اخبار پکڑے لان کی طرف آرہی تھی اس نے سیف کا آخری جملہ سنا تھا اور سیف منظر سے ہٹا تو اس نے کاشف سے پوچھا۔

"تمہارے انکل کہاں جارہے ہیں۔" "خالہ میں اور لائبہ انکل سیف کے ساتھ باہر گھومنے پھرنے جارہے ہیں۔"

"تم دونوں کہیں بھی ان کے ساتھ نہیں جاؤ گے۔" وہ سختی سے بولی۔ تو ان کے چہرے اتر گئے۔

"کیوں خالہ۔" لائبہ نے سوال کیا۔

"بس میں نے کہہ دیا نا تم کہیں بھی اکیلے ان کے ساتھ نہیں جاؤ گے۔"

"مگر اب انکل تیار ہونے گئے ہیں ہم ان سے کیا کہیں گے۔" کاشف نے بڑے پتے کی بات کہی تھی۔

"ٹھیک ہے میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ چلتی ہوں۔" وہ وہیں سے مڑی اور جوتے پہننے چلی گئی۔

"سیف انکل! خالہ بھی ہمارے ساتھ چلیں گی۔"

یہ اطلاع کاشف نے اسے دی تھی۔

"واقعی تمہاری خالہ بھی جارہی ہیں۔" وہ خوش گوار حیرت سے دوچار ہوا۔

"ہاں کہہ رہی تھیں ہم اکیلے آپ کے ساتھ کہیں بھی نہ جائیں انھیں غصہ آ گیا تھا اس لیے کہا میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔" کاشف بچہ تھا مصلحت کو نہ سمجھتے ہوئے جوں کا توں اسے سب کچھ کہہ دیا۔ درحقیقت اسے سیف انکل بہت اچھے لگتے تھے اور جس طرح خالہ نے غصہ کیا تھا وہ اسے بالکل بھی اچھا نہیں لگا تھا اسی لیے تو اس نے انکل سیف کا ساتھ دیا تھا۔

بچوں کے سامنے سیف نے اپنے تاثرات چھپا لیے۔ وہ تیار ہو چکا تھا۔ کاشف اور لائبہ اس کے دائیں بائیں کھڑے تھے جب سامنہ جوتے پہن کر چلی آئی۔

"میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی بہت روز سے آؤٹنگ کا موڈ ہو رہا تھا وہ یوں بول رہی تھی جیسے جنم جنم کی مزاج آشنا ہو۔ سیف اگر کاشف کی زبانی آگاہ نہ ہو چکا ہوتا تو خوش ہوتا۔

"محترمہ سامنہ دیکھتے ہیں آپ کی ذہنی پرواز کہاں تک ہے۔" وہ دل میں اس سے بولا تھا۔

کاشف اور لائبہ بھاگ کر گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔ ان کی واپسی دو گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ سیف کو تو بھوک لگ رہی تھی۔ وہ باہر کھانے کا عادی نہیں تھا۔ سامنہ نے کاشف اور لائبہ کے ساتھ کافی کچھ کھا لیا تھا اس لیے اسے تو بھوک نہیں تھی۔ آج کلثوم بھی موجود نہیں تھی۔ وہ صبح صبح چھٹی لے کر اپنی بیٹی کے پاس گئی تھی جس کے ہاں بچے کی ولادت متوقع تھی۔

وہ کچن میں گھس گیا۔ سامنہ پانی پینے آئی تو وہ ڈبل روٹی اور انڈے نکال کر کاؤنٹر پہ رکھ رہا تھا۔ لاکھ وہ اس کی طرف سے خدشات کا شکار تھی مگر اس وقت اس کی یہ مصروفیت اسے اچھی نہیں لگی تھی۔

"ہٹیں میں بنا دیتی ہوں۔" اس نے آفر کی تو سیف نے بے یقینی سے اس کی سمت دیکھا آج تو وہ حیران کر دینے پہ تلی ہوئی تھی۔

"ویسے کیا کیا بنانا آتا ہے آپ کو۔" وہ سادہ انداز میں بولا۔

"سب بنا لیتی ہوں۔" انڈے پھینٹتے ہوئے اس نے بڑے فخر سے کہا تھا۔

"واقعی آپ سب کو بنا لیتی ہیں۔" سیف کا انداز اسے سرتاپا سلگا گیا۔

کاشف اور لائبہ دن بھر کے تھکے ہوئے تھے۔ رات آٹھ بجے سے پہلے ہی سو گئے۔ سائرہ نے ان دونوں پہ کمبل درست کیا ٹیوب لائٹ بند کر کے زیرو پاور کا بلب آن کیا ان پہ سورتیں پڑھ کر پھونکیں اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد وہ ان کے پاس سے اٹھی اور پھر اپنے بیڈ روم میں آ گئی۔

اس روز کے بعد سے اس نے کمرا الگ کر لیا تھا۔ اب اس نے جو کمرا رہنے کے لیے چنا تھا وہ کاشف اور لائبہ کے بیڈ روم کے عین سامنے تھا۔ یہاں سے وہ اچھی طرح نظر رکھ سکتی تھی۔ سیف مکمل طور پہ اس سے بے گانگی برت رہا تھا۔ وہ خوش تھی کہ اس نے سیف کو بہلا لیا ہے یہی اس کی غلط فہمی تھی وہ ایک ایک چیز اور حرکت پہ نظر رکھے ہوئے تھا۔ وہ اس سے لاپروا ہو کر بھی لاپروا نہیں تھا۔

نہ جانے کیا وقت تھا جب اس کی آنکھ کھلی۔ اس نے گھڑی کی سمت دیکھا جو رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ اسے پیاس لگ رہی تھی۔ سائڈ ٹیبل پہ پڑے جگ سے گلاس میں پانی انڈیل کر اس نے پیا۔ آج وہ جلدی سو گئی تھی اس لیے آنکھ کھل گئی تھی۔ اس نے پانی پی کر دوبارہ سونے کی کوشش کی تو جی میں آیا کہ کاشف اور لائبہ کے بیڈ روم کی طرف جھانک لیا جائے۔ جوتے پہنے بغیر اس نے اٹھ کر اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تو سردی سے کپکپا گئی۔ سویٹر سونے سے پہلے اس نے اتار دیا تھا۔ گرم بستر سے اٹھ کر باہر آئی تو سردی کا احساس ہوا۔

اس نے دروازے کا لاک گھمایا۔ ہائیں یہ کیا لائٹ بند تھی حالانکہ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ اس نے زیرو پاور کا بلب آن کیا تھا۔ اس نے سوئچ بورڈ سے ٹٹول کر ٹیوب لائٹ آن کی تو دل دھک سے رہ گیا۔ خالی کمرا بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ کاشف اور لائبہ کہیں نہیں تھے۔ لائبہ کا ٹیڈی بیئر بھی غائب تھا اسے ساتھ لیے بغیر وہ سوتی نہیں تھی۔ اس کے دل نے ایک بیٹ مس کر دی۔

وہی ہوا جس سے خوفزدہ تھی وہ ویسے پاؤں آ کر اس کا سب سے قیمتی اثاثہ لوٹ کر لے گیا تھا اور اسے خبر تک نہ ہوئی تھی۔ وہ وہاں سے بھاگتی ہوئی سیف کے بیڈ روم تک ایک موہوم سی

امید کے سہارے آئی تھی۔ دروازہ لاک نہیں تھا اس کے ہاتھ مارنے کی دیر تھی چوپٹ کھل گیا۔
سامنے جہازی سائز بیڈ پہ وہ سیف کے ساتھ ہم وار فلم دیکھ رہے تھے۔ ایک ان دیکھے غصے نے اسے مغلوب کر ڈالا۔
"میری جان نکالنے میں تم لوگوں نے کسر نہیں چھوڑی تھی۔" پوری قوت سے پہلے اس نے کاشف اور پھر لائبہ کو تھپڑ رسید کیا اس سے پہلے کہ دوبارہ وہ وہی عمل دہراتی سیف نے سختی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"انہیں کیا کہتی ہیں مجھ سے بات کریں، میں ہی انہیں یہاں لے کر آیا ہوں۔ کاشف نے بہت روڈ سے مجھے "بے بیز ڈے آؤٹ" موری کا کہا ہوا تھا میں آج یہ سوچ کر لے آیا کہ ان دونوں کا لانگ ویک اینڈ ہے فلم دیکھ کر بہل جائیں گے۔ میں نے ٹی وی لاؤنج میں لگا کر نہیں دی کہ بچے ہیں اور اکیلے ہیں اس لیے اپنے بیڈ روم میں لے آیا۔ اس میں اتنا غضب ناک ہونے کی کیا بات ہے۔" اس نے جھٹکے سے اس کی کلائی چھوڑی تو تکلیف کی شدت سے اس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ اس نے بڑے شوق سے کالے اور سرخ سوٹ کے ساتھ میچنگ چوڑیاں پہنی تھیں، جو سیف کے آہنی ہاتھ کی گرفت میں کرچی کرچی ہو گئی تھیں۔
سامنہ کی کلائی سے خون نکل رہا تھا۔ سیف مڑ کر دونوں کو چپ کرانے لگا جو سامنہ کے ردعمل کی وجہ سے سہم کر رو رہے تھے۔ حالانکہ کچھ دیر پہلے وہ سیف انکل کے ساتھ کتنے آرام سے موری دیکھ رہے تھے۔ انہیں سیف انکل بہت اچھے لگنے لگے تھے خالہ سے بھی زیادہ کیونکہ وہ ان سے پیار جو بہت کرنے لگے تھے وہ خالہ سے چھپ کر ان دونوں کے لیے بہت سے چیزیں لاتے ساتھیں کہانیاں سناتے کاشف تو انکل سیف سے کشتی بھی لڑتا۔ کتنی دفعہ جب خالہ رات کو سو جاتیں تو انکل سیف ان کے بیڈ روم میں آجاتے ان کے ساتھ مزے مزے کی باتیں کرتے۔ لائبہ بڑی حسرت سے کاشف سے کہتی کاش ہمارے پپا بھی انکل کی طرح ہوتے۔ یہ سیف نے سن لیا۔ لائبہ کی یہ بات تیز ے کی انی کی طرح اس کے دل میں ترازو ہو گئی تھی۔
"لائبہ تم مجھے بے شک پپا کہا کرو۔" اس نے لائبہ سے کہا۔
"نہیں انکل اخالہ جانی کو پتا چلا تو غصہ کریں گی ہم آپ کو انکل ہی کہیں گے کیونکہ آپ بہت سویٹ ہیں۔" لائبہ کی اس بات پہ سیف نے اس کا گال چوم لیا تھا۔ اب اسی گال سامنہ نے بے رحمی سے چانٹا مارا تھا۔ دونوں اس کے پاس دبک گئے تھے۔

''آئم سوری کاشف اور لائبہ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔'' اس نے لائبہ کو سیف کے بازو کے گھیرے سے نکالنا چاہا تو وہ اور بھی شدت کے ساتھ سیف کے ساتھ چمٹ گئی۔

''میں انکل کے پاس سوؤں گی اور میں بھی۔'' لائبہ کیساتھ ساتھ کاشف نے بھی اعلان کیا۔

''آپ لوگوں نے مجھے معاف نہیں کیا۔''

''خالہ آپ بہت گندی ہو گئی ہیں۔'' کاشف کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔

''میری جان مجھے معاف کر دو۔'' اس نے سیف کے سینے کے ساتھ چپکے کاشف کو پیار کرنا چاہا تو ناراضگی کے اظہار کے طور پہ کاشف نے منہ پھیر لیا۔ اس کے سامنے سیف کا چہرا تھا۔ کاشف سیف کے سینے سے لپٹا اور وہ خود اس سے کتنا قریب تھی خیال آتے ہی پیچھے ہوئی تھی۔

''دیکھو مجھے معاف کر دو میں آج آپ دونوں کے پاس سوؤں گی اور سنڈریلا کی اسٹوری بھی سناؤں گی۔'' اس نے لالچ سے کام نکالنا چاہا۔

''جی نہیں ہم سیف انکل کے پاس سوئیں گے۔''

وہ دونوں یک آواز ہو کر بولے تو وہ بے بسی سے ان دونوں کو دیکھ کر رہ گئی تھی پھر شاید کاشف کو اس پہ ترس آ گیا۔

''خالہ آپ بھی ادھر ہی سو جائیں بہت جگہ ہے۔ کیوں انکل خالہ کو معاف کر دیں اور ادھر ہی سونے دیں۔'' اب کاشف نے سیف کو بھی ثالث بنا دیا۔ ''ٹھیک ہے'' وہ آہستہ سے بولا۔

''خالہ ادھر آ جائیں۔'' کاشف نے سیف کی دائیں سائڈ پہ اشارہ کیا۔ ایک طرف تو وہ خود تھے۔ لائبہ کا سر سیف کے سینے پہ تھا جبکہ کاشف اس کے بازو پہ سر رکھے لیٹا تھا۔ سیف نے بڑی گہری نگاہوں سے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''کاشف بیٹا! میرے کمرے میں ایک جن ہے اگر تمہاری خالہ جانی کو کھا گیا تو.....''

''سیف انکل آپ بہت اسٹرونگ ہیں جن نے آپ کو دیکھا تو خالہ کو چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔''

کاشف نے اس کے بازو پہ بڑے فخریہ انداز میں ہاتھ پھیرا تھا۔ سیف کو ہنسی آ گئی۔

''مگر یہ جن بھاگنے والا نہیں پکڑ کر چھوڑتا نہیں ہے۔ خالہ نے آپ کے ساتھ جو کیا

ہے وہ اسے اچھا نہیں لگتا ہے۔" سائرہ کو غصہ آ گیا۔ بچوں کے سامنے وہ کس قسم کی بات کر رہا تھا۔

"سائرہ صوفے پہ جا بیٹھی سیف نے دوبارہ مووی لگا دی تھی۔ کچھ ہی دیر میں بچے بھول بھال گئے۔ لائبہ ٹی وی دیکھتے دیکھتے سو گئی۔ کاشف کو بھی نیند آ رہی تھی۔

سیف نے اٹھ کر ٹی وی بند کیا اور دروازہ لاک کیا۔

سائرہ کا دل حلق میں دھک دھک کرنے لگا۔

"یہ جن اسٹرونگ ہے تو کیا ہوا اس کے سینے میں بھی دل ہے بے ایمان ہو سکتا ہے۔" وہ بولتے بولتے اس کی طرف جھکا تھا۔ اس نے سائرہ کے کندھے کو اپنے فولادی ہاتھ میں پکڑا تو اس نے سر اوپر اٹھایا۔

"آج تو آپ نے جو کیا اس پہ معافی ہے اگر آئندہ اس طرح ہوا تو اچھا نہیں ہوگا۔ یہ بن ماں باپ کے بچے ہیں۔" حتی الامکان وہ آہستہ آواز میں بول رہا تھا مگر اس کے لہجے کی درشتی وہ اچھی طرح محسوس کر رہی تھی۔ وہ پیچھے ہٹا تو اس نے اطمینان کی سانس لی۔

"میں اپنے کمرے میں سونے جا رہی ہوں۔" وہ اس کے تیوروں سے خائف ہو گئی تھی۔

"جن سے ڈر گئی ہیں وہ سوری بھول گیا تھا آپ کو تو دنیا جہان کے مردوں سے ا... لگتا ہے شادی جیسے بندھن کے نام سے آپ کو نفرت ہے۔" وہ غضب کی اداکاری کر رہا تھا۔

"مجھ ناچیز کو شوہر جیسے اعزاز سے کیوں نوازا تھا؟" وہ اس وقت اسے یہاں قریب دیکھ کر یاغی ہو رہا تھا۔ کاشف اور لائبہ سو چکے تھے اس لیے اس طرف سے وہ بے فکر تھا۔

"ہمارے درمیان یہ طے پایا تھا کہ آئندہ اس موضوع پہ کوئی بات نہیں ہوگی۔" سائرہ نے اسے یاد دلایا۔

"کیوں نہیں بات ہوگی، ابھی بات ہوئی کہاں ہے میں فرشتہ نہیں ہوں۔" سیف اسے جان کر ڈرا رہا تھا۔ سائرہ کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ وہ دروازے کے پاس کھڑی سیف ہٹے تو وہ باہر نکلے۔ وہ آگے چٹان کی طرح ایستادہ تھا۔

تو خدا ہے نہ میرا عشق فرشتوں جیسا
دونوں انساں ہیں تو کیوں اتنے حجابوں میں ملیں

اس نے بڑے جذب کے عالم میں شعر پڑھا تھا۔

"آگے سے بچوں میں جاؤں۔" سیف کے بدلتے انداز اسے ساری بہادری بھلا گئے تھے۔

"میرے پاس آؤ تو محبت سے محبت کرنا سکھا دوں۔" اس نے ساتھ کی چوٹی سے آزاد آوارہ لٹ کو اپنی انگلی سے چھیڑا تھا۔

"تمہاری یہ آنکھیں......" اس نے سانحہ کی لرزتی پلکوں کو غور سے دیکھا وہ سن ہو کر رہ گئی۔ وہ ابھی تک اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

دیوار سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے وہ ابھی تک دل کی دھمک کھینچیو! رہنی محسوس کر رہی تھی۔

"یہ شخص بہت بے باک ہے۔" کسی جذبے کی آنچ سے دہکتی اس کی گہری براؤن آنکھوں پر وہ تصویر چپکی تھی۔

"مگر مجھے کیا ہو گیا تھا کیوں بت بن گئی تھی واقعی اس شخص میں ذرا بھی شرم نہیں ہے۔" اس نے بڑے آرام سے سیف کو مورد الزام ٹھہرایا۔

تیز روشنی میں اس نے اپنی کلائی دیکھی جہاں پہ خون خشک ہو چکا تھا "ایک چوڑی بھی سلامت نہیں بچی کیسے ڈانٹ رہا تھا مجھے جیسے کاشف اور لائبہ کی بڑی پرواہ ہو اسے اور ان ناداروں کو دیکھو کیسے چپٹے جا رہے تھے اس سے۔ جیسے سگا باپ وہی ہو۔ دھوکہ ہی دھوکہ ہے کیا سچ کیا جھوٹ ہے مجھے نہیں پتا مگر مجھے خود کو اور کاشف کے ساتھ لائبہ کو بھی بچانا ہے۔ بہت معصوم ہیں دونوں۔ انہیں خوب صورت چہروں کے پیچھے چھپے مکروہ ارادوں کی کیا خبر......" سوچتے ہوئے وہ حد درجہ تلخ ہو رہی تھی۔

❀ ......❀...... ❀

صبح وہ معمول کے مطابق کاشف اور لائبہ کے لیے جلدی اٹھتی تھی۔ کلثوم ناشتا بنا کر ان دونوں کے لیے لنچ باکس تیار کرتی اتنے میں سانحہ انہیں یونیفارم پہنا دیتی۔ کلثوم کل سے بیٹی کے پاس تھی۔ رات کو بھی سانحہ نے کھانا بنایا تھا۔

وہ منہ ہاتھ دھو کر کچن میں آئی تو حیران رہ گئی۔ کاشف اور لائبہ ڈائننگ ٹیبل کے ساتھ پڑی چیئرز پہ بیٹھے ناشتے کے منتظر تھے اور سیف چولہے کے آگے کھڑا آملیٹ بنانے کی کوشش میں تھا۔ گردن کے گرد لپٹا تولیہ اور گیلا سر خود بتا رہا تھا کہ وہ باتھ روم سے برآمد ہوتے

کے بعد سیدھا ادھر آ گیا ہے۔

"خالہ گڈ مارننگ آج انکل سیفی ہمارے لیے ناشتا بنائیں گے۔" پہلے تو وہ سیف سے انکل سیفی کے تخاطب پہ چونکی۔ ایک رات میں ہی وہ اس سے اتنے قریب ہو گئے ہیں کہ بے تکلفی پہ اتر آئے ہیں یہی حال رہا تو وہ اسے بھول جائیں گے اور سیف نام کے اس دھوکے باز کے ہتھے چڑھ جائیں گے۔ اس کے ذہن میں آگ سی سلگنے لگی۔

"کاشف اور لائبہ مجھے اٹھا دیتے نا۔"

"خالہ انکل کہہ رہے تھے آج ہمارے لیے خود ناشتا بنائیں گے۔" لائبہ بڑے فخر سے بولی تھی۔ پھر اس کے وہیں کھڑے کھڑے سیف نے آملیٹ کے ساتھ سینکے ہوئے توس ٹیبل پہ ان دونوں کے سامنے رکھے۔ انہوں نے بڑے اطمینان سے ناشتا کیا اور دودھ کا گلاس پیا۔ حالانکہ کاشف دودھ پینے کا چور تھا اب ایک سانس میں گلاس چڑھا گیا تھا۔

"خالہ آپ بھی ناشتا کریں نا۔" لائبہ نے اسے وہاں ایستادہ دیکھ کر دوپٹا پکڑا تو وہ جبراً مسکرائی۔

"میں اپنے لیے ناشتا خود بناؤں گی۔" وہ اتنا آہستہ بولی کہ آواز صرف اسی تک پہنچ سکی۔

"میرے لیے بھی ناشتا بنا دینا۔" وہ کاشف کے ساتھ والی چیئر پہ بیٹھ چکا تھا۔

"انکل آپ ناشتے میں کیا کیا کھاتے ہیں۔" اس نے بڑے اشتیاق سے پوچھا تھا۔

"یار آج کل سردیاں ہیں میں پراٹھے کے ساتھ انڈا کھاتا ہوں۔ دودھ پیتا ہوں اور سرملٹر لے لیتا ہوں اور جوس بھی۔"

"تبھی آپ اتنے اسٹرونگ ہیں میں چاہتا ہوں میرے مسلز بھی آپ کے جیسے ہو جائیں۔"

"ہو جائیں گے، آپ بڑے ہو جائیں میں خود جم لے جایا کروں گا۔"

"کاشف۔" سادھیمے سے بولی تھی۔

"جی خالہ۔" وہ اس کی طرف پریشان نگاہوں سے تکنے لگا۔

"جلدی سے ناشتا کرو۔" وہ پراٹھا یوں جلدی جلدی تل رہی تھی جیسے کشتی لڑ رہی ہو۔ فرائی انڈا اور پراٹھا اس نے پلیٹ میں ڈال کے ابھی ٹیبل پہ رکھا تھا وہ مڑ رہی تھی جب سیف نے اس کے دوپٹے کا کونا پکڑ لیا۔

"اس طرح میں ناشتا کرنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"تو پھر۔" وہ جھنجھلائی۔

"اپنے ہاتھ سے کرا کتا۔ وہ بڑے مزے سے بولا۔

کاشف لائبہ کے ساتھ اٹھ چکا تھا اس لیے اب اسے پروا نہیں تھی۔

"توے پہ روٹی جل رہی ہے۔" اس نے وہ پنا چھڑایا اور مڑی۔ غصہ انداز و آواز سے چھلک رہا تھا۔ مسئلہ یہ تھا وہ اسے کھل کر کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی کیونکہ وہ اگر احسان جتانے پہ آ جاتا تو.....

"کسی کا دل بھی جل رہا ہو تو....." اب وہ اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ وہ حرکت کرنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

"میں تو خود کو ہار چکا ہوں تمہیں کچھ نہیں ہوتا۔"

وہ اس کے کان میں بولا تھا۔ سائرہ کو اس کے لہجے کی آنچ رخساروں پہ محسوس ہونے لگی۔

"ڈاکٹر عدنان سائیکاٹرسٹ ہے اس کے پاس چلو گی۔"

"کس لیے....."

"برین واشنگ کے لیے کیونکہ آپ کے ذہن میں جو خناس ہے شادی نہ کرنے کے حوالے سے ٹھیک ہو جائیں گی پھر بتاؤں گا کہ آپ ....." اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے وہ ہٹ گئی۔ اس کی بے باکی پہ وہ پانی پانی ہو گئی تھی بمشکل تمام اس نے پراٹھا سینک کر توے سے اتارا تھا۔

وہ ناشتا کیے بغیر چلا گیا تو اس نے سکون کا سانس لیا۔ اس نے ناشتا کیوں نہیں کیا تھا اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کے لیے اس کے پاس وقت نہیں تھا۔

"کاشف اور لائبہ اسکول چلے گئے۔ وہ آج آفس صرف تھوڑی دیر کے لیے گئی باہر واپسی کے لیے نکلتے ہوئے اس کی نظر ذیشان پہ پڑی ساتھ منیجر صاحب بھی تھے۔ وہ قصداً اوٹ میں ہو گئی ذیشان بہت کمزور لگ رہا تھا۔ اسے دکھ سا ہوا۔ دوسرے روز وہ آفس گئی تو میز پہ ذیشان کا استعفیٰ پڑا ہوا تھا۔ مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی وہ خود کو گنہگار سمجھ رہی تھی۔

اسے اچھی طرح احساس تھا کہ ذیشان نے کیوں ریزائن دیا ہے وہ اس کا سامنا کرنے سے کترا رہا تھا۔

وہ گھر واپس آئی تو کلثوم پریشان صورت لیے گیٹ کے آگے ہی ٹہل رہی تھی۔

"کلثوم! کاشف اور لائبہ اسکول سے آگئے ہیں۔"

"نہیں وہ ابھی تک نہیں آئے ہیں۔"

"کیا ابھی تک نہیں آئے ہیں چھٹی ہوئے ڈیڑھ گھنٹا ہو چکا ہے تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں۔" وہ چیخ پڑی۔

"میں کچن میں مصروف تھی۔ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ وین والے کا فون آیا کہ گاڑی خراب ہے اور ورکشاپ میں ہے میں بچوں کو نہیں لا سکتا۔ چھوٹے صاحب کا دوپہر میں فون آیا تو میں نے انہیں کہہ دیا مگر وہ بچوں کو لے کر ابھی تک نہیں آئے ہیں۔"

"اوہ گاڈ! یہ کیا ہو گیا۔" اس نے وہیں سے گاڑی موڑی اور ان کے اسکول جا پہنچی۔ اسکول بند تھا گیٹ کیپر نے کہا کہ بچے جا چکے ہیں۔ کس کے ساتھ گئے ہیں اس نے جو حلیہ بتایا وہ سو فیصد سیف پہ پورا اترتا تھا۔ اس نے سیف کے سیل فون کو ٹرائی کیا فون بند تھا۔ اس کی آنکھوں میں مارے وحشت کے آنسو آگئے۔ اسی حالت میں وہ گھر آئی تو آگے سیف کی گاڑی کھڑی تھی۔ کاشف اور لائبہ بیٹھے ہوئے تھے۔

"خالہ جانی ہم کے ایف سی گئے تھے پھر انکل نے ہمیں آئسکریم بھی کھلائی۔" لائبہ کو مطلق اس کی پریشانی کا احساس نہیں تھا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا دونوں کا منہ تھپڑوں سے لال کر دے انہیں کیا پتا تھوڑی سی دیر میں اس پہ کیا گزر گئی تھی۔ سیف کی موجودگی کی وجہ سے وہ اپنے خیال کو عملی جامہ نہیں پہنا سکی۔

"اصل میں کلثوم کا فون آیا تو میں سیدھا ان کے اسکول چلا گیا وہاں یہ چھٹی کے بعد انتظار میں تھے۔ میں نے انہیں پک کیا تو کہنے لگے کہ کے ایف سی جانا ہے سو ان کی فرمائش پوری کی اس لیے دیر ہو گئی۔" سیف نے معتدل انداز میں وضاحت کی، مگر اس کا اندرونی غصہ کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔

"آپ ان کی عادت مت بگاڑیں مجھے کل مشکل ہو گی۔"

"میں ان کی عادتیں نہیں بگاڑ رہا یہ ان کی رسکوائرمنٹ ہے یہ محبت کو ترسے ہوئے ہیں اگرچہ بظاہر ان کے ساتھ میرا کوئی خونی رشتہ نہیں ہے مگر ان کے لیے پیار میرے دل میں ہے یہ پیارے بچے ہیں میرے پاس رہتے ہیں۔ میں ان سے مانوس ہو گیا ہوں۔" سیف کو

اس کے جملے سے دلی رنج ہوا تھا۔

"آپ انہیں روکیں انہیں بتائیں میرا ان کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے اور یہ کہ میں بہت کچھ کر سکتا ہوں انہیں نقصان پہنچا سکتا ہوں۔ ساجد صاحب دنیا کو اپنی عینک سے دیکھنا چھوڑ دیں ایک ابھی سے سب کو مت ہانکیں۔" سیف اس کے کٹیلے جملے دہرا رہا تھا۔ جو وہ وقتاً فوقتاً کاشف اور لائبہ سے کہتی آئی تھی۔ وہ بچے تھے سیف کا رویہ دیکھ کر اسے ہر بات بتا دیتے تھے۔ وہ سخت شرمندہ ہو رہی تھی۔ ان دونوں نے سیف کے سامنے اس کی نظریں ہی جھکا دی تھیں۔ وہ اپنے بیڈ روم میں بند ہو گیا تھا۔ وہ دونوں بہن بھائی بھی بدمزا ہو گئے تھے۔

"خالہ ہر موقع پہ کوئی نہ کوئی گڑ بڑ کر دیتی ہیں۔" یہ خیال کاشف کا تھا جو اس نے لائبہ کی سماعتوں میں سرگوشی کے ذریعے منتقل کیا تھا۔ ساجدہ نے اسے تیز نظروں سے گھورا تھا۔

کافی دیر گزر گئی سیف باہر نہیں آیا تو کاشف نے اس کے کمرے کا دروازہ ناک کیا۔ لائبہ اس کے پیچھے تھی۔ سیف کے باہر نکلنے پہ دونوں اس کے ساتھ دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔

"سوری انکل ہماری وجہ سے آپ ہرٹ ہوئے۔" کاشف نے اس کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔

"میرے نہیں فرینڈز ایسا کچھ نہیں ہے۔" اس نے اپنے تاثرات نارمل کر لیے۔ وہ انہیں اٹھا کر اندر لے آیا۔

"تمہاری خالہ جانی پاگل ہیں دیکھنا میں کرتا کیا ہوں ان کے ساتھ۔"

"ہاں انکل! خالہ اتنی زیادہ بدل گئی ہیں شادی کے بعد۔" وہ بے اختیار ہنستا چلا گیا۔ کاشف نے بڑے انداز سے کہا تھا۔

"کیا تبدیلی آئی ہے تمہاری خالہ میں۔" وہ دلچسپی سے پوچھ رہا تھا۔

"اب ہمیں کہانیاں بھی نہیں سناتی ہیں نہ زیادہ بات کرتی ہیں۔"

"اور کیا کیا کرتی ہیں تمہاری خالہ جانی۔" اس نے خالہ جانی پہ زور دے کر کہا۔

"اب تو ہر وقت غصہ ہی کرتی ہیں یہ نہ کرو وہ نہ کرو۔ انکل کے ساتھ باہر مت جاؤ۔" اس نے پھر بھانڈا پھوڑا تھا۔ "ساجدہ صاحبہ! اتنی بے اختیاری اب مزا چکھواتے گئے گزرے نہیں ہیں ہم کہ جو چاہو کرتی پھرو" وہ فیصلہ کر کے مطمئن نظر آ رہا تھا۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

"ہم مری چلیں گے سنو فال دیکھنے اس فرائی ڈے کو اور رات وہیں اسٹے کریں گے۔"

"انکل میں بھی جاؤں گا۔"

"ہاں تم دونوں میرے ساتھ چلو گے یہ بات اپنی خالہ کو بتا دینا۔" وہ تصور کی آنکھ سے اس کی جھنجلاہٹ سے لطف اندوز ہو رہا تھا (تمہارے ساتھ تمہارے والے طریقے سے نبٹوں گا) سائرہ کے فرشتوں کو بھی اس کے خیالات کی خبر نہیں تھی اس لیے کاشف نے جمعہ کی شام کو جب اسے بتایا کہ وہ انکل کے ساتھ مری جا رہے ہیں تو حسب توقع وہ بدک گئی۔ اب وہ اسے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی کیونکہ سیف کو جا کر وہ بتا دیتا پہلے ہی اس کا تاثر اچھا نہیں تھا۔

"اپنے انکل کو جا کر کہو میں بھی جاؤں گی۔" مرتی کیا نہ کرتی اپنے خوف کے ہاتھوں مجبور وہ جانے کے لیے راضی ہوئی تھی۔ کاشف نے اسے جا کر بتایا تو سیف ہنس پڑا۔ وہ حسب توقع جال میں آ رہی تھی۔

سیف نے کلثوم سے پہلے ہی گرم کپڑے کہہ کر پیک کروا دیے تھے۔ کاشف اور لائبہ گرم کپڑوں سویٹر موزوں اور اونی ٹوپیوں میں سردی سے بے نیاز نظر آ رہے تھے۔ وہ گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔ سائرہ تیز تیز چلتی پاس آئی۔

"آپ بھی جا رہی ہیں۔" وہ بڑے مزے سے حیرانگی کا اظہار کر رہا تھا۔

"مجھ سے کاشف نے کہا خالہ آپ بھی چلیں ہم مری جا رہے ہیں۔" ساتھ ساتھ وہ کاشف کی طرف دیکھتی جا رہی تھی تاکہ وہ تائید کرے صد شکر کہ وہ باہر تھی تھا ورنہ اسے شرمندہ کروا دیتا۔

سیف کو تو صورت حال کا علم تھا دل میں ہنس دیا۔

"ہم رات کو رکیں گے سوچ لیں۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے سر سے جیسے بلا اتاری تھی۔

"وہاں آپ کی نہیں ہماری چلے گی یہ بات یاد رکھیے گا۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ سائرہ نے توجہ نہیں دی تھی۔

شام ہو رہی تھی جب گاڑی اسلام آباد کی حدود سے نکلی۔

سیف بچوں کے ساتھ بچہ بنا ہوا تھا۔ سارے راستے شور ہلا گلا قہقہے شرارتیں کرتا رہا۔ سورج بہت جلدی ڈوب گیا تھا۔ سائرہ اس کی ڈرائیونگ کا انداز دیکھ کر دہل رہی تھی ایک دو بار اس نے ٹوکا بھی گاڑی آہستہ چلائیں وہ مزے سے ان سنی کر کے گنگناتا رہا۔

اسے جتنی سورتیں یاد تھیں اس نے سب پڑھ ڈالیں۔ اس وقت اس نے سکون کا
سانس لیا جب گاڑی روک کر سیف نیچے اترا۔
سیف کے دوست کا مری میں اپنا کاٹیج تھا وہ خود ملک سے باہر رہتا تھا
یہاں چوکیدار اور اس کی بیوی رہتے تھے یا اگر اس کا کوئی رشتہ دار آتا تو قیام کرتا۔ سیف نے
اسے پہلے ہی فون کر کے بتا دیا تھا۔ چوکیدار کی بیوی نے اس کے لیے کمرے تیار کر دیے تھے۔
سمانہ نے گرم کمرے میں پہنچ کر اطمینان سا محسوس کیا۔
اندر آتشدان میں لکڑیاں جل رہی تھیں۔ چوکیدار کی بیوی نے سب سے پہلے انہیں
گرم گرم چائے پیش کی۔
باہر برف باری کے ساتھ بارش بھی شروع ہو گئی تھی۔ سمانہ سویٹر موزے اور اونی شال
لینے کے باوجود کپکپا رہی تھی۔ سیف، کاشف اور لائبہ کے سونے کے بعد باہر چلا گیا تھا۔ کھانا
کھانے کے بعد سمانہ ان دونوں کے پاس لیٹ گئی۔ اجنبی جگہ کے احساس نے نیند تک چھین لی
تھی وہ یونہی آنکھیں موندے پڑی تھی کہ باہر ہونے والے کھٹکے نے اسے چوکنا کر دیا۔ وہ اٹھ
کر بیٹھ گئی۔ اب کچھ گرنے کی آواز آئی تو اس نے پاؤں بیڈ سے لٹکا کر جوتے پہنے۔ شال اس
نے پہلے ہی اچھی طرح لپیٹی ہوئی تھی۔ ڈرتے ڈرتے اس نے دروازہ کھولا تو زندگی میں پہلی
بار اسے سیف کی غیر ذمہ داری پہ بے پناہ غصہ آیا۔ وہ انہیں اجنبی جگہ اجنبی لوگوں کے بیچ چھوڑ
کر جانے کہاں چلا گیا تھا۔ باہر وسیع صحن میں سرو اور دیودار کے درخت قطار در قطار ایستادہ
تھے۔ دور کونے میں دو کمرے بنے ہوئے تھے۔ پورے گھر کی لائٹس آن تھیں اسے خوف نے
لرزا دیا۔ یہاں اس جگہ کوئی انہیں مار کر گہری کھائی میں پھینک دے تو۔۔۔۔ اس وحشت ناک خیال
نے جیسے اس کا خون تک خشک کر دیا۔ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا کمرے کا
دروازہ بند نظر آ رہا تھا۔ وہ انہی قدموں پلٹی اور دروازے سے جھانکا۔ سیف اندر موجود تھا اور گیلی
جیکٹ اتار رہا تھا۔ وہ شاید ابھی ابھی آیا تھا۔ سمانہ کو حیرت ہوئی جانے وہ کس راستہ سے آیا تھا۔
"آپ ہمیں اکیلا چھوڑ کر کہاں غائب ہو گئے تھے۔" وہ چاہنے کے باوجود لہجے کی
تلخی اور خوف پہ قابو نہیں رکھ سکی تھی۔
"کیوں کیا ہوا؟" کیا مطلب کا تجاہل عارفانہ تھا۔ وہ بھنا گئی۔
"یہاں کوئی ہمیں مار کر پھینک دے تو کسی کو پتا نہ چلے۔"

"واقعی کسی کو کیا پتا چلے گا یہ کاٹیج آبادی سے دور بنا ہوا ہے چوکیدار اور اس کی بیوی گہری نیند سو چکے تھے۔ یہاں کوئی نہیں ہے بس میں ہوں اور تم ہو۔" سیف کا لہجہ بہت سرد تھا۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی سنسنا اٹھی۔ وہ جیکٹ اتار کر اس کی طرف پلٹا تھا۔ "تم لوگوں کو جان سے مار ڈالوں تو کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔" سمانہ کی روح فنا ہوگئی۔ وہ اس کے پاس آ گیا تھا۔

"ان آنکھوں کو چومنے کی حسرت تو نہیں رہنی چاہیے کیوں کیا خیال ہے۔" سیف اس کے قریب ہوا تو اس نے بے اختیار اپنی آنکھوں پہ ہاتھ رکھ لیے۔

"نن نہیں آپ ایسا نہیں کر سکتے۔"

"کیوں میں ایسا کیوں نہیں کر سکتا۔ میں بہت برا انسان ہوں تمہاری سوچ سے بھی زیادہ اس لیے تو تمہیں یہاں لے آیا ہوں کہ اپنے جرم کا ثبوت ہی نہ چھوڑوں۔" سیف کے دونوں ہاتھ اس کے دائیں بائیں دیوار پہ ٹک گئے تھے۔ وہ اس کے چہرے کی طرف جھکا تو سمانہ کی سانس سینے میں اٹک گئی۔ وہ سہمی چڑیا کی مانند تھر تھر کانپ رہی تھی۔ موت اس کے سر پہ ناچ رہی تھی۔ وہ اس وقت کو کوس رہی تھی جب اس کے ساتھ یہاں تک آئی تھی۔ یہ مکار انسان اسے مار کر بچوں کو بھی قتل کر دیتا اور پھر واپس چلا جاتا کسی کو کیا پتا چلتا تھا۔ موت کے خوف نے اس کی آنکھوں کو ساکت بنا دیا تھا مگر وہ اس دھوکے باز سے رحم کی بھیک مانگنا نہیں چاہتی تھی۔

"تم اس وقت میرے قبضے میں ہو جو چاہوں کروں۔ موت کا خوف بڑے بڑے بہادروں کا پتا پانی کر دیتا ہے جیسے تم عام حالات میں قربت گوارا نہیں کرتی تھیں مگر اب......" وہ اسے بازوؤں میں جکڑے اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔

"اب ڈر نہیں لگ رہا ہے حالانکہ تم نے تو کہا تھا کہ مجھے چھونا مت میرے قریب مت آنا......" اس نے اسے چھوڑ دیا تو وہ تڑپ کر اس کی گرفت سے نکلی۔ سیف زور زور سے ہنس رہا تھا۔

وہ اس کی دھوکے بازی جان گئی تھی وہ اسے صرف خوفزدہ کر رہا تھا۔

"یہاں کاشف اور لائبہ کے پاس سو جائیں میں ساتھ والے بیڈ روم میں ہوں۔" وہ شرافت کے دائرے میں واپس آ گیا تھا پر سمانہ سخت کبیدہ تھی۔

"ڈر لگ رہا تھا تو میں ادھر ہی رک جاؤں۔"

"جی نہیں۔" اس کا لہجہ بہت سخت تھا۔ کم بخت نے کس طرح ہولناک مذاق کیا تھا وہ

سچ مچ ڈر گئی تھی۔

"مجھے آپ دل میں کوس رہی ہوں گی کہ کیسا انسان ہے آپ کی آنکھوں میں ڈولتی بے اختیاری نے مجھے یہ مذاق کرنے پر اکسایا۔"

"یہ مذاق تھا اگر میرا ہارٹ فیل ہو جاتا تو......"

"اتنی جلدی ہارٹ فیل نہیں ہونے دیں گے ابھی تو بہت کچھ ہونا باقی ہے میرا مطلب ہے آپ کا ڈر، خوف جو کہ آپ کا خود ساختہ ہے اسے دور کرنا ضروری ہے۔" اس کے لہجے میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ سمانہ کی پلکیں جھک گئیں۔

وہ سلیپنگ ڈریس لیے اس کے قریب سے گزرا تو وہ پیچھے ہو گئی۔

"اتنا کیوں ڈرتی ہیں۔" اس کے بے باک جملوں نے اس کی پیشانی عرق آلود کر دی۔ سمانہ نے نگاہ چرائی۔

"ہاں نہیں تو ڈوں گا اوکے گڈ نائٹ۔" وہ سامنے سے غائب ہو گیا تو سمانہ اپنی ابھرتی ڈوبتی دھڑکنوں کو سنبھالنے لگی۔

ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اسے اپنی شبیہ نظر آ رہی تھی۔ سیف کی گستاخیوں کا لمس ابھی بھی محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اندر کے شور سے ڈر گئی تھی۔

شادی سے محض ایک روز پہلے ذیشان نے جو کچھ آ کر کہا تھا وہ ساری باتیں اس کے ذہن میں تازہ ہو گئیں۔

"سمانہ آپ یہ شادی کر کے بہت پچھتائیں گی میں یہ نہیں کہتا کہ آپ مجھ سے ہی شادی کریں آپ کسی اور جگہ کر لیں مگر یہاں مت کریں کیونکہ......" اس کے چہرے پہ اضطراب تھا۔

"آپ مجھے غلط اور لالچی سمجھتی ہیں یقینا میرے دل میں ایسا کوئی خیال نہیں ہے، اگر اس کے دل میں ایسی کوئی بات ہے تو ہو گی میں نے کبھی آپ کی جائیداد کے بارے میں سوچا تک نہیں، ہاں میں یہ اقرار ضرور کرتا ہوں کہ میں آپ کو ٹوٹ کے چاہنے لگا ہوں آپ کے بغیر میری زندگی ویران گزرے گی سمانہ۔" ذیشان کا لہجہ بھرا گیا تھا۔

"آپ کو شک ہے نا کہ آپ کے گھر اور گاڑی پہ میں نے حملے کرائے ایسا نہیں ہے یہ سارا کھیل اشعر بھائی کا رچایا ہوا ہے۔" اس نے سمانہ کے سر پہ گویا دھماکا کیا تھا۔ "آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔" سمانہ کو اپنی آواز کھوکھلی سی لگی۔

"میں جھوٹ نہیں کہہ رہا سچ کہہ رہا ہوں میرے پاس ناقابل تردید ثبوت ہیں۔ میں نے بڑی محنت سے اس راز کا کھوج لگایا ہے۔ سیف، اشعر کا سب سے قریبی دوست ہے اور اس کے ساتھ آپ کی شادی ہو رہی ہے مجھے شک ہے کہ وہ اپنا مقصد نکال کر واپس چلا جائے گا۔ مجھے تو اس کے پیچھے گہری سازش دکھائی دے رہی ہے ابھی مجھے پتا نہیں ہے مگر انشاء اللہ یہ حقیقت بھی آپ کے سامنے لا کر رہوں گا آپ بس کوئی بھی بہانہ بنا دیں۔" ذیشان کے لہجے اور باتوں میں ایسا یقین تھا کہ وہ ایمان لے آئی۔

"میں اب کیا کروں صبح نکاح ہے بہانہ ہو کہ میرے انکار کی وجہ سے یہ لوگ مشتعل ہو جائیں۔ وہ بے حد پریشان ہو گئی تھی۔

"سمانہ جب تک اس کا مقصد پورا نہیں ہو جاتا آپ بچی رہیں گی ورنہ شادی کے بعد آپ مسلسل خطرے کی زد میں رہیں گی نہ صرف آپ بلکہ بچے بھی۔ اس طرح تو آپ ان کے لیے تر نوالہ ثابت ہوں گی آپ کو بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

"نہیں ذیشان شاید ایسا نہ ہو اگر اس وقت میں پیچھے ہٹی تو یہ لوگ ہوشیار ہو جائیں گے۔" پریشانی کے باوجود اس کا ذہن کام کر رہا تھا۔ ذیشان جاتے جاتے اس کے سامنے رکا اسے غور سے دیکھا اور باہر نکل گیا۔

وہ اسے پریشانیوں کے حوالے کر کے چلا گیا۔ وہ کمرے میں مسلسل چکر لگا رہی تھی وہ تصور کی آنکھ سے دیکھ رہی تھی۔ وہ دلہن بنی ہوئی ہے۔ نکاح کے وقت نکاح خواں کے پوچھنے پر صاف انکار کر دیتی ہے تب سیف اور اشعر کاشف اور لائبہ کو غائب کروا دیتے ہیں۔ یہ تصور اتنا جان لیوا تھا کہ وہ لرز سی گئی۔ شادی کا یہ جوا اس نے کھیلنا ہی تھا۔ کاشف، لائبہ کی زندگی اسے بہر حال ہر چیز سے عزیز تر تھی۔ وہ انہیں کیوں داؤ پر لگاتی۔ اب اسے خود ہی کچھ کرنا تھا اس نے سوچ لیا تھا۔

عین شادی کے روز ذیشان کی خودکشی نے اسے بے حد اذیت دی اسے یہ بھی پتا تھا اس نے انتہائی مایوسی و بے دلی کی حالت میں یہ فعل سر انجام دیا ہو گا مگر اللہ کا شکر تھا اس کی زندگی بچ گئی تھی۔ سمانہ ایک روز باقاعدہ اس کے پاس گئی تھی اسے سمجھایا تھا اب وہ اس کے آفس سے ریزائن دے کر خود کو سنبھالنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ وہ خوش تھی کہ ذیشان اس جذباتی دھچکے سے سنبھل رہا ہے۔

اب اسے سیف کے ارادوں کا پتا چلانا تھا۔ ذیشان کے الفاظ کی سچائی پر رکھنے کے لیے سیف اور اشعر کے تعلق کو اس نے سمجھنا تھا اور یہ اتنا آسان نہیں تھا۔ وہ پل پل کاشف اور لائبہ کی حفاظت کے خیال سے چوکنا رہتی تھی اسے اپنے آپ کو بھی بچانا تھا سیف کے ارادوں سے جو دن بہ دن سرکش ہوتے جا رہے تھے۔ ذیشان نے جو کچھ اسے کہا تھا اب سیف پہ زیادہ اعتبار نہیں رہا تھا۔ اس کا حالیہ رویہ اس شک کو اور بھی تقویت دیتا تھا۔

سمانہ سے اٹھا ہی نہیں جا رہا تھا آنے والے دنوں کی پریشانی کے احساس سے اس کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ سر میں درد سے جیسے دھماکے ہو رہے تھے اور جسم الگ بخار کی وجہ سے تنور بنا ہوا تھا۔ لائبہ اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے اس کا سر دبا رہی تھی۔ پورا دن وہ اپنے کمرے سے باہر نہیں آئی تھی۔ سیف نے یونہی کاشف سے پوچھا تھا وہ خونخوار سی خالہ جانی نظر نہیں آ رہیں تب اسے پتا چلا کہ اسے تو بخار ہے۔

وہ تیز بخار کی شدت سے بے سدھ پڑی تھی۔ سیف نے اس کے ماتھے کو چھوا۔ کلثوم کو آواز دی۔ اسے سمانہ کے پاس بٹھا کر اس نے اپنے فیملی ڈاکٹر کو فون کیا۔ کلثوم ٹھنڈے پانی کی پٹیاں اس کی پیشانی پہ رکھ رہی تھی۔

کلثوم نے دو مرتبہ سمانہ کو دوا دی جو بمشکل تمام اس کے حلق سے اتری اور پھر سو گئی۔ سیف نے کئی بار آ کر اسے دیکھا۔ کاشف اور لائبہ سوئے تو اس نے ان کے کمبل درست کیے ان کے ماتھے پہ پیار کیا "گڈ نائٹ فرینڈز تمہاری خالہ جانی کو اعتراض نہ ہو چلتا ہوں۔" دروازہ بند کر کے وہ آ گیا۔ سامنے ہی سمانہ کا بیڈ روم تھا۔ وہ اندر آ گیا۔ کلثوم اس کا سر دبا رہی تھی۔ رات کافی زیادہ ہو چلی تھی اس نے کلثوم کو بھیج دیا۔

"یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں آخر مجھے بھی بیمار کی عیادت کا ثواب کمانے کا موقع ملنا چاہیے۔" وہ بیڈ کی دوسری سائڈ سے آ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"کیا بہت زیادہ طبیعت خراب ہے۔" بے اختیار اس کا سر اثبات میں ہل گیا۔ بچپن میں جب بھی اس کی طبیعت خراب ہوتی تو اماں یا ابا کے پوچھنے پہ رونا شروع کر دیتی۔ اس وقت بھی سیف کے پوچھنے کی دیر تھی اس کی آنکھوں سے گرم گرم آنسو پھسل گئے۔ اماں اسے گود میں چھپا لیتی تھیں۔ کاش اس وقت اماں یا آپا ہوتیں تو وہ ان کے سینے میں سر چھپا کر سارے آنسو بہا دیتی۔ وہ انہیں بتاتی کہ اس نے کیسے کانٹوں پہ چلتے ہوئے وقت گزارا ہے۔ خوف د

ہر اس کے کامل سہارے لمحہ بہ لمحہ اس کا پیچھا کرتے رہے ہیں اس وقت جو شخص اس کے سامنے بیٹھا ہے وہ اس کی نیت کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی پرنہ جانے کیوں اب اس پہ اعتبار کرنے کو دل چاہنے لگا ہے۔ اپنی تھکن اسے سونپ دینے کو جی کرتا ہے، مگر کہیں یہ بھی سراب نہ ہو دھوکہ نہ ہو سا ہے ایک امید کی کرن جو نظر آنے لگی ہے اسے کوئی اندھیروں کی نذر نہ کر دے۔

"ساحرہ آپ رو رہی ہیں۔" سیف نے اس کا گلابی آنسوؤں میں ڈوبا چہرہ اوپر کیا تو اس کے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ کسی کا کندھا تو چاہیے تھا، چاہے وہ سازش میں شریک سیف کا ہی ہوتا۔

"ارے ساحرہ کیا ہوا ہے۔" وہ پریشان ہو گیا۔ ساحرہ اس کا بازو پکڑے ہچکیاں لے رہی تھی۔

"میں بہت زیادہ تھک گئی ہوں۔ گہری نیند سونا چاہتی ہوں میں نیند کو ترس گئی ہوں۔" یہ جملے قطعاً غیر ارادی طور پہ اس کے لبوں کی گرفت سے آزاد ہوئے تھے۔

"تو سو جاؤ نا میں ادھر بیٹھا ہوں۔" اس نے نرمی سے ساحرہ کے بکھرے بالوں کو سمیٹنے کی کوشش کی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ نارمل ہوئی تو سیف کا ہاتھ فوراً چھوڑ دیا جسے وہ تھوڑی دیر پہلے آخری سہارے کی طرح تھامے ہوئے تھی۔ اب سیف کی قربت کا احساس ہوا تو وہ کھسک کر پرے ہوئی۔

تیرا ہاتھ ہاتھ میں جو آ گیا
تو چراغ راہ میں جل گئے

"تھوڑی دیر تو اس دھوکے میں رہنے دیتیں۔" اس کے چہرے پہ ملال بکھرا ہوا تھا۔

"بس اب آپ جائیں میں ٹھیک ہوں۔" اس نے کروٹ بدل کر رخ موڑ لیا تھا۔

"مگر اب میرا جانے کو دل نہیں کر رہا میں ٹھیک نہیں ہوں۔" یکلخت وہ پٹڑی سے اتر گیا۔

"پلیز آپ یہاں سے چلے جائیں میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔"

"تو مجھے بتاؤ نا میری جان وہ کون سی پریشانی ہے وہ کون سا خوف ہے۔ وہ کون سا اندیشہ ہے، جس نے تمہیں بے اختیار کر دیا ہے اور تم یوں دوسروں کے ساتھ کھیل کھیل رہی ہو مجھے تو بتاؤ صرف ایک بار اگر میں اس قابل ہوا تو تمہاری بے اختیاری دور کرنے کی کوشش

کروں گا مجھے بتاؤ نا کیوں میرا امتحان لے رہی ہو وہ اپنا بھی۔ ٹوٹ جاؤ گی کرچی کرچی ہو جاؤ گی۔" سیف کے لہجے سے ایک بے اختیار سا جذبہ چھلک رہا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"اس سے پہلے کہ ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جاؤ میرے پاس آ آؤ میرا اعتبار کرو میں تمہیں سمیٹ لوں گا۔ میں بچہ نہیں ہوں تمہارا ایک ایک عمل گواہی دیتا ہے کہ تم میری طرف سے بے اطمینانی کا شکار ہو اگر ایسی کوئی بات ہے تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میری ذات سے تمہیں کبھی بھی کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ اپنی دنیا سے باہر آ کر دیکھو یہاں بڑے خوب صورت رنگ بکھرے ہوئے ہیں۔ چاہت کے رنگ اعتبار کے رنگ مان کے رنگ اگر تم چاہو تو میں سارے رنگ تمہیں بخش دوں۔ میرے دل میں تمہارے لیے بے پناہ چاہت ہے، محبت ہے۔ تمہاری پور پور مہکانا چاہتا ہوں۔ تمہیں اندھیرے سے روشنی میں لانا چاہتا ہوں۔ تمہارے دکھ بانٹنا چاہتا ہوں سانئہ۔" اس کے لفظ لفظ سے سچائی ٹپک رہی تھی۔

میرے درد کو جو زباں ملے

میرے درد کو جو زباں ملے

کوئی اس کے اندر بین کر رہا تھا۔ شور لحہ بہ لحہ تیز ہوتا جا رہا تھا۔

میرے درد کو جو زباں ملے

اسے یوں لگ رہا تھا سماعتیں اس شور کی تاب نہ لا پائیں گی۔ وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو کر سیف کے بازوؤں میں جھول گئی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁
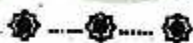
جواہر کی طبیعت خراب ہو رہی تھی۔ جابر اسے ہاسپٹل لے گیا تھا اور حیدر عمر ٹو کرانی بھی اس کے ساتھ تھی۔ ڈاکٹر نے کہا کہ مریضہ کو ہم ایڈمٹ کریں گے کیونکہ پریگننسی نارمل نہیں ہے۔ اب پانچ روز سے وہ اس مہنگے ترین پرائیویٹ ہاسپٹل کے وی آئی پی روم میں تھی۔ اس کے پاس ملازمہ کے سوا کوئی نہیں تھا۔ ابھی رشتہ داروں نے مکمل طور پر ان سے ناراضگی ختم نہیں کی تھی کبھی کبھار ہی کوئی آتا۔ سو جابر آفس سے اٹھنے کے بعد جواہر کے پاس گھنٹہ دو گھنٹہ ٹھہر کر گھر آ جاتا۔

آج غضب کی سردی تھی۔ تین روز سے دھند پڑ رہی تھی۔ جابر، جواہر کے پاس آج تقریباً آدھا دن رہا تھا۔ جواہر سخت خوفزدہ تھی، پہلی بار تھی۔ وہ کچھ زیادہ ہی گھبرائی ہوئی تھی۔ وہ اسے تسلیاں دلاسے دے کر گھر لوٹا تھا۔ جواہر نے امینہ اور سائنہ کے بارے میں ڈھیروں ہدایات

دی تھیں۔ جواہر جب سے ہاسٹل میں تھیں دونوں ملازموں کے رحم و کرم پہ تھیں۔ ہر دوسرے روز وہ بھی جواہر کے پاس سے ہو آتیں، خاص طور پہ جانثہ، جواہر کو کافی مس کر رہی تھی پر اینہ نے کافی حد تک اسے بہلا لیا تھا۔ پھر کچھ ہی روز میں جو بے بی آنے والا تھا اس کی وجہ سے بھی وہ کافی پرجوش ہو رہی تھی۔

اینہ کے اسکول میں ایک فنکشن ہو رہا تھا اس سلسلے میں ایک ڈرامہ اسٹیج کیا گیا تھا جس میں اینہ نے بھی حصہ لیا تھا اسے ڈرامے کا مرکزی خیال ایک گیت کی صورت میں پیش کرنا تھا۔ اس گیت کی ریہرسل وہ کافی روز سے کر رہی تھی تاکہ کوئی کمی نہ رہے۔

کل فنکشن تھا۔ وہ گھبرا کر ٹیپ ریکارڈ میں اپنی آواز ریکارڈ کر کے بار بار سن رہی تھی۔ دوسری کیسٹ میں اس کے پاس گلوکارہ کی اصل آواز تھی وہ دونوں کا کئی بار موازنہ کر چکی تھی۔ اب بھی وہ گنگنا رہی تھی۔

جابر ہاسٹل سے لوٹا تو مغرب کی اذان ہو چکی تھی۔

رات بڑی تیزی سے اپنے پر پھیلا رہی تھی۔ اینہ اور جانثہ کہیں بھی نظر نہیں آ رہی تھیں۔ وہ سٹنگ روم میں آیا۔ اینہ ٹیپ ریکارڈر لگائے گاتے ہوئے بڑی مگن سی تھی۔ اسے اپنے ارد گرد کا ذرا بھی ہوش نہیں تھا۔ جابر نے اسے بڑے غور سے دیکھا تھا۔ وہ ابھی بچپن کی آخری دہلیز پہ کھڑی تھی۔

میرے درد کو جو زباں ملے

میرا درد نغمۂ بے صدا

آنکھیں بند کیے وہ جذب کے عالم میں گنگنا رہی تھی۔ کتنی سریلی آواز تھی اینہ کی۔

اس کا اندازہ جابر کو آج ہوا تھا۔

جو مجھے یہ راز نہاں ملے

مری خامشی کو بیاں ملے

اس نے گاتے ہوئے ہاتھوں کو الفاظ کے مطابق حرکت دی تھی۔ جابر کے ہونٹوں پہ ایک عجیب سی مسکراہٹ آ گئی جس کا مطلب صرف اسے ہی پتا تھا۔

اسے شروع سے ہی کم سن پچیاں اچھی لگتی تھیں۔ دل چاہتا تھا انہیں توڑ پھوڑ دے۔ کھیل تو بہت کھیلے تھے اس نے مگر توڑ پھوڑ کی حسرت باقی تھی۔ پاپا جاب پہ چلے جاتے تھے۔ وہ

شروع سے اسکول لیول تک ہاسٹل میں رہا تھا۔ پپا نے اپنے سر سے ذمہ داری اتار دی تھی گویا۔ شروع کے چند دن تو وہ بڑا سہما سہما سا رہا تھا۔ کیونکہ مما کے بعد اسے پپا کے پاس رہنے کی عادت جو نہیں تھی۔ کلاس فورتھ سے انہوں نے اسے گھر سے دور اس ہاسٹل میں ڈال دیا تھا۔ اسے کلاس ناین کے اسٹوڈنٹ رضوان نے اس نئے کھیل کے بارے میں بتایا تھا۔ اس کا پہلا تجربہ جابر نے چھٹیوں میں گھر آ کر صفائی کرنے والی ماسی عطیہ کی بچی کے ساتھ کیا۔ دوسری بار وہ گھر آیا تو ماسی عظمت اور اس کی بچی نہیں تھی، مگر محلے اور آس پڑوس میں تو بہت سی بچیاں تھیں۔

میٹرک تک وہ پکا کھلاڑی بن چکا تھا اور سے نئے گر بھی سیکھ چکا تھا۔ تب اس نے جواہر کو دیکھا۔ بڑی جلدی وہ اس کی باتوں میں آ گئی۔ وہ دن بہ دن اس کا اسیر ہوتا جا رہا تھا۔ حالات کچھ ایسے ہوئے کہ جواہر کی اس کے ساتھ شادی ہو گئی۔ وہ اپنے فعل پہ کچھ زیادہ شرمندہ نہیں تھا۔ آئے روز اس کی طبیعت خراب رہتی تھی۔

پپا دو ہفتے سے اپنے دوست کے پاس پشاور گئے ہوئے تھے۔ ادھر جواہر ہاسپٹل میں تھی۔ گھر میں تنہائی تھی، سامنے ایمنہ تھی بچپنے کی آخری سیڑھی پہ کھڑی۔ دل پرانا کھیل کھیلنے کو مچل اٹھا تھا۔ جابر نے بڑی آہستگی سے دروازہ بھیڑا تھا۔ ایمنہ کو کچھ خبر نہیں تھی۔ وہ گانے کی ریہرسل میں پوری طرح مگن تھی۔ سمانہ، جابر کے کمرے میں ٹی وی دیکھتے دیکھتے سو گئی تھی۔ کارٹون چل رہے تھے وہ بیڈ پہ چڑھ کے کمبل میں گھس گئی تھی۔ ٹام اینڈ جیری دیکھتے دیکھتے اس کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں اسے کچھ خبر نہیں تھی وہ کتنی دیر سوئی رہی تھی اور کب اس کی آنکھ کھلی تھی۔ کوئی عجیب سا احساس اور آواز تھی جس سے اس کا سویا ذہن فوراً بیدار ہوا تھا۔

❀ ...... ❀ ...... ❀

اشعر نے تھوڑی دیر پہلے گھر سے اسے پک کیا تھا۔ وہ آفس جانے کی تیاری میں تھی جب اشعر آیا۔ چار پانچ روز اس کی طبیعت شدید خراب رہی تھی آفس جا ہی نہ پائی تھی۔ مینیجر صاحب کوئی ضروری بات اس سے کرنا چاہ رہے تھے جب وہ آ دھمکا۔

"سمانہ میرے ساتھ چلو سیف نے بلوایا ہے۔" وہ فوراً سوچے سمجھے بغیر اس کے ساتھ ہو لی تھی۔ اپنی گاڑی گھر چھوڑ کر وہ اشعر کے ساتھ بیٹھ ہو لی تھی۔ اپنی گاڑی گھر چھوڑ کر وہ اشعر کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ وہ کبھی بھی سیف کی ایجنسی نہیں گئی تھی۔ بس اسے پتا تھا اس بارے میں۔

اشعر اجنبی راستوں سے گزر رہا تھا۔ اس نئے تعمیر شدہ گھر سے وہ بالکل ناواقف تھی

جہاں اب اشعر نے گاڑی روک کر اسے اترنے کا اشارہ کیا تھا۔

"اشعر بھائی یہ سب کیا ہے۔"

"نیچے اترو سامنہ۔" اشعر کی سرد آواز میں اس کے بدلتے تیوروں کے ساتھ بالکل اجنبی تھی۔ اب سامنہ کو احساس ہوا وہ یہاں دھوکہ کھا گئی ہے۔ وہ کسی اور پہ شک کرتی رہی تھی اور مجرم اپنا کام کر گیا تھا۔

اب کیا ہو سکتا تھا تیر کمان سے نکل چکا تھا

اشعر زبردستی دھکیل کر اسے اندر لایا تھا۔

"تم یہاں ہو کسی کو بھی پتا نہیں ہے۔"

"اشعر بھائی آپ کیوں ایسا کر رہے ہیں؟" وہ چیخ اٹھی۔

"اس لیے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ اس روز سے جب پہلی بار تمہاری ان راز بھری نیلی آنکھوں پہ نظر پڑی تھی۔ پہلے ذیشان درمیان میں آیا اس کا پتا تو میں نے صاف کر دیا۔ تمہاری برین واشنگ کر کر کے مگر سیف والا معاملہ ہاتھ سے نکل گیا۔ ممانے عین آخری وقت میں مجھے بتایا اگر میں سیف کے بارے میں تمہیں بدگمان کرتا تو تم کھٹک جاتیں میرے بارے میں مجبوراً اچھے وقت کا انتظار کہہ کر دل کو بہلایا۔ مگر وہ اچھا وقت نہیں آیا اور تم سیف کے گھر چلی گئیں۔ میں سوچتا ہوں تو تڑپ اٹھتا ہوں دل چاہتا ہے۔ دل چاہتا ہے۔" وہ پھٹی پھٹی وحشت زدہ آنکھوں سے یک ٹک اشعر کو دیکھے جا رہی تھی۔

"میں نے سوچا تھا خوفزدہ ہو کر تم شادی پہ آمادہ ہو جاؤ گی تو میں مما کو اپنی پسند بتاؤں گا۔ تمہارے لیے میں نے کیا کچھ نہیں کیا۔ کاشف اصلاحیہ کی وین پہ گولیاں چلائیں۔ خوفزدہ کرنے کے لیے مالی کر اہی مجرم اسلم کا سہارا لیا عام حالات میں۔ میں اسے منہ بھی نہ لگاتا مگر تمہارے لیے تمہیں پانے کے لیے میں نے قانون کا محافظ ہوتے بھی خلاف قانون کیا۔ صرف تمہیں پانے کے لیے سامنہ تمہارے لیے۔" اس کی جذبوں کی شدت سے دہکتی آنکھیں سامنہ کے مقابل تھیں۔

"میں اب اور نہیں سہہ سکتا میں۔"

"کیا کریں گے اب آپ۔" سامنہ بولی تو اپنی ہی آواز اسے اجنبی لگی۔

"مگر تم نے میری بات نہ مانی تو میں سیف کے آگے ایسا والا کیس رکھوں گا جا ہر یہاں بھی نے جابر بھائی کو قتل کیوں کیا ہے میں کڑی سے کڑی ملا چکا ہوں اور اگر یہ ساری زنجیر یں

سیف کو دکھا دوں تو......"

اشعر کی مسکراہٹ آج سے پہلے اسے کبھی اتنی ذلیل نہیں لگی تھی۔

"آپ سیف کو کیا دکھائیں گے۔ میں زنجیر کا سارا سرا اس کے ہاتھ میں دے چکی ہوں۔" وہ بولی تو اس کا لہجہ حیرت انگیز طور پہ مطمئن تھا۔ اشعر نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"ہاں اشعر بھائی میں اسے سب کچھ بتا چکی ہوں۔ اینہ کا قتل میری آنکھوں کے سامنے ہوا تھا اور میں کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ میں اسے بچا تک نہ سکی میں نے اسے سامنے دم توڑتے دیکھا۔ اشعر بھائی وہ میری آنکھوں کے سامنے میری آنکھوں کے سامنے۔" وہ ہذیانی لہجے میں چیخ کر بولی۔

"میں آپ کو کیا سمجھتی رہی اور آپ کیا نکلے اتنے خود غرض کہ میں تصور تک نہیں کر سکتی میں نے تو آپ کو بڑے اونچے سنگھاسن پہ بٹھایا ہوا تھا آپ کی مورتی دھڑام سے گری ہے ذیشان کی ساری باتیں آج سچ ہو گئی ہیں۔"

"کیا ذیشان کو بھی پتا ہے۔"

"جی ہاں مجھے اس نے شادی سے ایک روز پہلے سب کچھ بتا دیا تھا مگر میں نے یقین نہیں کیا تھا اشعر بھائی اس لیے کہ بھائی بہنوں کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے وہ بہنوں کا مان نہیں توڑتے۔" ساشہ رو دی تھی۔ اشعر کے کندھے تھکے ہارے مسافر کی طرح جھک گئے۔

"میں نے گھر سے نکلتے ہوئے سیف کو فون کر دیا تھا کہ آپ کے ساتھ آ رہی ہوں وہ پریشان ہو رہے ہوں گے۔" ابھی بات اس کے منہ میں ہی تھی کہ ساشہ کے بیگ میں پڑا موبائل بجنے لگا۔

"سیف کا فون ہے۔" وہ عام سے لہجے میں بولی اور لائن کاٹ دی۔ اشعر نے شرمندہ نگاہیں اٹھائیں۔ چند ہی پل لگے تھے اسے سمجھنے میں۔ وہ کیا کرنے جا رہا تھا۔ ایک لڑکی جو اسے بہنوں کی طرح عزت دیتی تھی اسے ہی بے عزت کرنے جا رہا تھا۔ وہ سوچ کر شرمندہ ہو گیا۔

"آئی ایم سوری ساشہ! شیطان نے بہکا دیا تھا جو کچھ ہوا ہے اسے بھول، فون کر دو آؤ چلو۔" اشعر نے ندامت سے کہا اور باہر نکل گیا۔

وہ باہر کھلی فضا میں آ گئی تھی۔ اپنی حاضر دماغی سے اس نے یہ بازی جیت لی تھی اور یہ بازی بہت بڑی تھی جو اس نے جیتی تھی۔ آج آٹھ سال پرانا ماضی اس کا ساتھ چھوڑ آیا تھا۔

اسی گھر میں آٹھ سال پرانے راز کا بوجھ اس نے اشعر کے آگے اتار کر پھینک دیا تھا۔ اشعر جو جھکے سر اور شرمندہ نگاہوں سمیت اس کے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔

"سیف! میں اشعر بھائی کے ساتھ صادقہ چچی کے گھر جارہی ہوں آپ کی طرف نہیں آسکتی۔" وہ اسے فون کر کے بتارہی تھی۔ اشعر نے اطمینان کا سانس لیا۔

سمانہ نے اس کا بھرم ٹوٹنے سے بچالیا تھا۔

سمانہ نے سیف کو کوئی فون نہیں کیا تھا صرف دکھاوے کو بات کی تھی۔ اشعر سے اس نے جھوٹ بولا تھا۔ جس بات پہ اوپر والے نے پردہ ڈال دیا تھا وہ اسے کیسے ظاہر کرتی جواہر آپا کے راز سمیت اسے اپنا راز بھی تو سونپا گیا تھا جس کی پردہ داری تاحیات اس نے کرنی تھی پر آئینہ والا بوجھ اس کے سر سے اتر گیا تھا۔

اب وہ خواب شاید اسے کبھی نہیں آتا تھا۔

جواہر آپا نے جیل میں اسے جابر کے قتل کا سبب بتا دیا تھا۔

اس دن جابر نے ڈرنک کر رکھی تھی۔ اسی ترنگ میں اس نے جواہر کے آگے بہت کچھ اگل دیا تھا۔ وہ باتیں بھی جن کا ظاہر ہونا قیامت تھا۔ اس نے نشے میں بتایا تھا۔ آئینہ کے بعد اب وہ سمانہ پر بری نظر رکھے ہوا تھا۔ بس موقع کے انتظار میں تھا۔ جواہر کے سامنے پھل کاٹنے والی چھری تھی اس نے جابر کے سینے میں وار کیا۔ لائبہ اچانک اندر آئی تھی جابر نے جھپٹ کر لائبہ کو ڈھال بنالیا" میں یہی چھری اس کے سینے میں اتار دوں گا۔" وہ قہر و غضب میں بھری جواہر سے بچ بچ ڈر گیا تھا۔ اس میں بیک وقت چار آدمیوں کی طاقت آگئی تھی۔ لائبہ کو زوردار دھکا دے کر اس نے جابر کے گھیرے سے نکالا اور پوری قوت سے چھری اس کے پیٹ میں ماری۔ زخم جان لیوا تھا۔ لائبہ خوفزدہ شور مچاتی باہر بھاگی تھی۔ ساتھ والے احسان صاحب بھاگے بھاگے آئے تھے۔ تب تک جابر مر چکا تھا۔

اگر جواہر عدالت میں سچ بتاتی تو اس کے خیال میں کاشف اور لائبہ بڑے ہو کر کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہ رہتے ان کا مستقبل تباہ ہو جاتا دنیا جابر کے حوالے سے طعنے دے دے کر ان کا جینا دو بھر کر دیتی۔ پھر اسے سمانہ بھی عزیز تھی اس کا کردار بھی مشکوک ہوتا دنیا کی نظر میں۔ اس پہ تو بہو بیٹیاں سایہ فگن تھیں وہ کیسے اسے خزاؤں کی سپرد کر دیتی اسے بس کاشف اور لائبہ کو بھی یاد کرانا تھا کہ ان کا باپ آئیڈیل باپ تھا دنیا میں ان کی پہچان باپ کے حوالے

سے تھی۔وہ کیسے یہ پہچان چھین لیتی کیونکر انھیں اس فخر سے محروم کرتی؟ سو اس نے لب سی لیے تھے۔حشمت ایزدی بھی شاید یہی تھی تبھی تو جواہر کی سانسوں کی ڈور ٹوٹ چکی تھی۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

سمانہ کا سر جھکا ہوا تھا۔وہ پرسوچ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

کاشف اور لائبہ کو سلا کر اس نے سیف کے بیڈروم میں قدم رکھا تھا۔وہ صوفے پہ نیم دراز ٹی وی دیکھ رہا تھا۔سمانہ کو دیکھ کر اس نے بازو پہ بندھی رسٹ واچ دیکھی تھی جو سوا گیارہ کا وقت بتا رہی تھی۔

حیرت کی بات ہی تھی۔وہ جو آج تک کتراتی آئی تھی آج خود اس کے بیڈروم میں آئی تھی۔

"سیف میں نے آپ سے سب جھوٹ کہا تھا۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"کیوں کہ میں آپ کو دھوکے باز سمجھتی تھی میرا خیال تھا کہ آپ نے آدھی جائیداد کے لالچ میں مجھ سے شادی کی ہے۔"

"اب خیال کیسے بدلا۔"

"کیونکہ میں آپ کو آزما چکی ہوں۔"

"پھر کیسا پایا۔"

"آپ آزمائش میں پورے اترے۔" سمانہ صرف ایک نظر اس کی طرف دیکھ پائی تھی۔نائٹ شرٹ کے کھلے گریبان سے جھانکتا اس کا فراخ سینہ آنکھوں میں ناچتی شوخ گستاخ سی چمک کا سامنا آسان تو نہیں تھا۔اس کی نگاہیں گریز کی وجہ سے جھک گئی تھیں۔اس اجنبی گریز کی وجہ سے جس کا موقع ہر لڑکی کی زندگی میں ایک بار ضرور آتا ہے۔

"میری آزمائش تو تم نے جی بھر کر لی اب اور امتحان نہ لو۔" سیف کی نگاہوں میں لطیف سی جسارت تھی۔سمانہ نے رخ موڑنا چاہا پر بے سود سیف کے بازو اس کے گرد مضبوط حصار کی طرح حائل ہو چکے تھے۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

آٹھ سال پہلے جابر اپنے کو مصروف دیکھ کر دروازہ بھیڑ کر اپنے کمرے میں آیا تھا۔جہاں سمانہ بچپن کی ساری خوب صورتی سمیٹے سو رہی تھی۔شیطان بری طرح حاوی تھا جب وہ

کمبل اٹھا کر اس کے پاس لیٹنا اور شیطانیت کا آغاز کرنا چاہا تو اسی وقت سمانہ کی آنکھ کھل گئی۔
اپنی حفاظت کا لاشعوری احساس تھا جس کے تحت وہ پوری قوت سے چیخ چلی گئی۔ اس کی آواز
بہت بلند تھی۔ گانے کی ریہرسل کرتی اینہ لرز گئی۔ وہ بھاگتی ہوئی جابر کے کمرے کی طرف آئی۔
جابر سے لاعلمی میں دروازہ کھلا رہ گیا تھا۔ کھلے دروازے سے اینہ اندر آ گئی تھی۔
"میں ابھی سب کو بتاتی ہوں۔" جابر بھاگ کر بیڈ سے اترا اور ایک ہی جست میں
اینہ کو جا لیا۔ اس بچی میں جان ہی کتنی تھی۔ اپنی حفاظت اور بچاؤ کے خیال نے جابر کو وحشی
بنا دیا۔ اس نے پوری قوت سے اینہ کا سر دیوار سے ٹکرا کر گردن دبائی اور پھر اسے بیڈ پر لا پھینکا۔
سمانہ اس دوران جیسے ٹراما کا شکار ہو گئی تھی۔
خوف کی زیادتی سے اس کے اعصاب سن اور لب سل چکے تھے۔
اینہ کے سر سے خون نکل رہا تھا جو بڑی تیزی سے بیڈ کور کو بھی سرخ کرتا جا رہا تھا۔
چند سیکنڈ میں اس کا زندگی کی حرارت سے بھرپور جسم بے جان ہو چکا تھا۔ سمانہ چیخنا چاہتی تھی مگر
چیخ نہیں پا رہی تھی۔ اینہ نے اسے تو بچا لیا تھا مگر وہ خود کو نہیں بچا پائی تھی۔
پھر جابر اس کی طرف پلٹا "اگر کسی کو بتایا تو ذبح کر دوں گا۔"
"میں کسی کو نہیں بتاؤں گی۔" اس وقت وہ ہر بات مانتی چلی گئی زندگی اسے بھی
پیاری تھی۔
پھر جابر جس طرح خاموشی سے آیا تھا اسی طرح سمانہ کو لے کر چل جواہر کے پاس
آ گیا۔ واپسی میں وہ جب جواہر اور بچے کے ساتھ واپس آیا تو تب اسے اینہ کے قتل کا پتا چلا۔
اس کی اداکاری جاندار اور ڈائیلاگ پراثر تھے کسی کو شک تک نہ ہوا۔ سمانہ کو اس کے بعد وہ
خواب آنا شروع ہوا جو اس کی بے بسی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ اب تو جابر بھی انجام کو پہنچ چکا تھا۔
اس نے اشعر کو آدھی بات بتا کر برسوں پرانا خوف ختم کر دیا تھا۔
اینہ کے وجود کو جانے زبان ملی تھی یا نہیں مگر اس کی برسوں پرانی اذیت کا خاتمہ ہو گیا تھا۔
سیف کے سینے پہ سر رکھے وہ پرسکون نیند سو رہی تھی جہاں اینہ بادلوں کے سنگ
شرارتیں کر رہی تھی مسکرا رہی تھی۔ اس نے جھانک کر سمانہ کی طرف ہاتھ ہلایا تھا جواباً سمانہ کے
لب سوتے میں مسکائے تھے۔